مجالسِ ترابی

(جلد چہارم)

عنوان عشرہ

علمِ معصوم

علّامہ رشید ترابیؒ

مرتبہ

الحاج علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی

مرکزِ علومِ اسلامیہ

فلیٹ نمبر ۴۔ آئی۔ نعمان ٹیرس۔ فیز۔ ۳۔

یونیورسٹی روڈ۔ گلشن اقبال بلاک۔ گیارہ۔ کراچی

(پہلا ایڈیشن) ۱۹۹۳ء

یہ الیکٹرونک PDF فائل اپنے بچوں کیلیے بنائی
دوسرے مومنین بھی استفادہ کر سکتے ہیں
اگر ان کے ممالک میں اردو اسلامی بکس
دستیاب نہ ہوں۔

طالب دعا
سید نذر عباس رضوی
11-11-2008

موبائل نمبر: 0300-2778856

مرکز علوم اسلامیہ
فلیٹ نمبر ۴۔ آئی نعمان ٹیرس۔ فیز ۳
یونیورسٹی روڈ، گلشن اقبال بلاک گیارہ کراچی

فہرست

"علمِ معصوم"

حضرت علّامہ رشید ترابیؒ کے بارے میں

اُن کے فرزند آیت اللہ علّامہ عقیل ترابی مدظلہ العالی کے تاثرات

خطیب عالمِ اسلام علّامہ رشید ترابیؒ کو دوسرے علماء کی بہ نسبت ایک خصوصی انفرادیت حاصل تھی، مرحوم ایک مذہبی یا سیاسی رہنما ہی نہیں تھے کہ جن کے انتقال کے بعد اُنھیں فراموش کیا جائے بلکہ وہ ایک تاریخ ساز رہنما تھے جنھوں نے قوم کے افکار میں بڑی تبدیلی ایجاد کی، علّامہ مرحوم نے تقسیمِ ہند کے بعد خاص طور پر افکارِ مذہبی کو منظّم کرنے کی کوشش کی اور قوم کے لئے مرکزیّت ایجاد کی، علّامہ مرحوم کو جو جامعیّت اور زندگی کے ہر شعبے میں جو عبور حاصل تھا وہ بہت کم افراد کو نصیب ہوتا ہے، میں اپنے والد کے بارے میں باپ اور بیٹے کے تعلق سے نہیں بلکہ ایک غیر جانبدار انداز میں پاکستان کے اس نامور خطیب کی زندگی پر اظہارِ خیال کرنے کا حق رکھتا ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ میری زندگی کا زیادہ حصّہ ایران اور عراق کے علماء کی خدمت میں گزرا اور میرا مشرقِ وسطیٰ کے بہت سے مذہبی رہنماؤں سے رابطہ رہا، یورپ اور امریکہ کے مسیحی علماء اور اسکالرز سے بھی ملنے اور اُن کی تقاریر سُننے کا موقع ملا لیکن میں پاکستان کے اُس عظیم المرتبت خطیب کے بارے میں غیر جانبداری اور انصاف کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس دور میں حضرت علّامہ رشید ترابی مرحوم کا خطابت، قیادت، علمیت و ادب میں کوئی جواب نہیں تھا اور تقریباً میرے اس خیال کو مولانا ماہر القادری نے بھی اپنے ایک مقالے میں نقل کیا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انھوں نے

امریکی مقرر بیلی گراہم کی مثال دیتے ہوئے کہا تھا کہ امریکہ میں بیلی گراہم کو ایک اعلیٰ رُتبہ حاصل ہے وہ بہت بڑا مقرر ہے لیکن اُسے سوائے یورپی زبانوں کے علاوہ مشرقی زبانوں پر عبور نہیں ، وہ قرآن شریف سے نابلد ہے جبکہ علاّمہ مرحوم نہ صرف مشرقی زبانوں پر بھی عبور رکھتے تھے اور اُن کا بائبل کا بھی بڑا ذہین مطالعہ تھا، مغربی افکار و فلسفے کو بھی جانتے تھے وہ نہ صرف خطیب بلکہ ایک مفسّر، محدّث، فقیہ، ادیب اور شاعر بھی تھے۔

حضرت علاّمہ رشید ترابی کی نجی اور بیرونی زندگی میں کوئی فرق نہیں تھا وہ کسی مخصوص طبقے یا فرقے ہی کی فکر نہیں کرتے تھے بلکہ ان میں ایک جامعیت تھی وہ گھر میں بھی گفتگو کرتے تو ایسا لگتا تھا کہ نشتر پارک یا خالقدینا ہال میں تقریر کر رہے ہوں۔ علاّمہ مرحوم باپ ہونے کے باوجود عام اجتماع میں بھی میرا اس طرح خیال رکھتے تھے جیسے ایک عالم دوسرے عالم کا خیال رکھتے ہیں، میں نے ۹ سال قُم (ایران) اور ۴ سال نجف اشرف (عراق) میں تعلیم حاصل کی لیکن حقیقت اور انصاف یہ ہے کہ علاّمہ مرحوم کی تقاریر سے میرے علم میں اضافہ ہوا اور میں نے خطابت میں کچھ مقام حاصل کیا، میں انھیں کا مرہونِ منّت ہوں اور مجھ پر اُن کی تقاریر کا اثر قُم اور نجف اشرف کی قدیم درسگاہوں سے زیادہ رہا اور یہی وجہ تھی کہ علاّمہ مرحوم کو مجھ پر اعتماد تھا اور اُنھوں نے ۱۹۷۰ء میں مجھے لندن سے طلب کرکے اپنی زندگی ہی میں اپنی تمام مجالس میرے سُپرد کیں، آخری دور میں بھی وہ فطری طور پر باندہی حیثیت سے میری طرف زیادہ متوجہ تھے اور جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو عالَمِ علالت میں میرے گھر تشریف لائے اور چند اہم کلمات مجھ سے فارسی میں کہے اس وقت بھی انھیں ذہن پر قابو تھا۔ میرا فرض ہے کہ میں اپنے قبلہ گاہی کے ارادوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں اور یہ سمجھتا ہوں کہ قوم کے تعلیم یافتہ افراد اور معزّز افراد مل کر اُن کی یادگار کو باقی رکھ سکتے ہیں۔

قابلِ مبارک باد ہیں مولانا ضمیر اختر نقوی جنھوں نے بڑی محنت اور کاوش کیساتھ حضرت علاّمہ مرحوم کی تقریروں کو ٹیپ سے کاغذ پر منتقل کیا اور سلیقے کے ساتھ مرکزِ علومِ اسلامیہ نے شائع کیا ہے، علاّمہ مرحوم کی یہ تقاریر قوم و ملّت کی امانت ہیں، ان تقاریر کو کتابی شکل میں محفوظ کر دیا گیا ہے تاکہ ہر ایک فائدہ اُٹھائے اور ثواب حاصل کرے۔

اَلَیۡسَ مِنۡکُمۡ رَجُلٌ رَّشِیۡدٌ ط

آیا تم میں سے کوئی شخص رشید (کامل) نہیں۔

(سُورَۃُ ھُودٌ ۷۸)

ملّتِ جعفریہ کے سینکڑوں افراد نے اپنی حیات فنِ خطابت پر صرف کی اور نہ معلوم کتنی زحمتوں کے بعد خطیب یا ذاکر کے نام سے مشہور ہوئے لیکن آج دنیا اُن کے نام تک نہیں جانتی ، مقرّرین وذاکرین ہمیشہ گوشۂ گمنامی میں رہے اُن پر کوئی تحقیقی کتاب تو مشکل امر تھا آج تک کوئی معلوماتی مضمون بھی کسی نے نہیں لکھا، چند تاثراتی مضمون خطیبوں کے بارے میں دستیاب ہیں لیکن تحقیقاتی جائزے سے متعلق مضمون اب تک نہیں لکھا گیا، مرثیہ نگاروں کے ہزاروں اشعار لوگوں کو یاد ہیں لیکن مشہور خطیبوں کے پُر اثر اور شگفتہ جملوں سے علم وادب کے شائقین بھی ابتک بے خبر ہیں۔ خاص طور سے نئی نسل تو قدیم ذاکرین کے نام تک سے واقف نہیں ہے۔ خطابت اور خطیبوں پر ایک تحقیقی کتاب کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جارہی ہے حالانکہ خطیبوں پر تحقیقی کتاب لکھنا کسی قدر آسان ہے اس لئے کہ اب تک ہر دور میں خطیبوں کی تعداد شعراء کے مقابلے میں ہمیشہ کم رہی ہے اور جو فنِ خطابت ہماری عزاداری میں رائج ہے یہ زیادہ قدیم بھی نہیں ہے۔

فنِ خطابت ایک ایسا ملکۂ فطری ہے جو اپنی تمام تر شان وشوکت کے ساتھ ہر شخص کو قدرت کی طرف سے عطا نہیں ہوا کرتا، ایک عالم اور قابل شخص ایک اچھی تقریر کر سکتا ہے لیکن جاذبیت پیدا نہیں کر سکتا۔ ایک بہترین خطیب کے لئے ضروری ہے کہ اس میں صداقت شعاری ، شخصی وجاہت ، طلاقتِ لسانی اور موقع شناسی ہو، بہترین خطیب بے ریا کردار اور بلند نصب العین

کا مالک ہو، وہ با خبر ذہن اور بے عیب آواز رکھتا ہو، وہ نستعلیق اشارات اور صحیح تلفّظ کی ادائیگی کا ماہر ہو، حاضر جوابی، برجستہ گوئی اور وحدتِ مقصد میں اس کا جواب نہ ہو، ہمدردی یا مردی، مجمع کی نفسیات سے آگاہی، فہمِ عامہ و مہارتِ تامہ، مطالعہ کی وسعت اور مشاہدہ کی لگن اُسے بامِ عروج پر پہنچا دیتی ہے۔

خطابت کے اثرات اور افادیت سے کسی کو انکار نہیں ہے "فنِ خطابت" نے برصغیر ہند و پاک میں ہماری ثقافت اور ہمارے ادب کو بہت کچھ دیا ہے، اردو زبان کی ترویج اور تہذیبی تطہیر میں نمایاں حصّہ لیا ہے اس کے باوجود ہمارے خطیبوں کا نام گوشۂ گمنامی میں چلا گیا اور آج دنیا انھیں بھول گئی اس کی واحد وجہ صرف یہ ہے کہ خطیبوں کی زندگی ہی تک ان کی تقریروں کی زندگی رہی، اگر ان تقریروں کو محفوظ کر لیا جاتا اور ان پر تحقیقی مقالے لکھے جاتے تو شاید دنیائے ادب و مذہب میں یہ بھی ادب کی ایک اہم صنف ہوتی۔ چند خطیبوں کے مسودے اکثر و بیشتر چھپے لیکن انھیں نقد و تبصرہ کی میزان میں کبھی نہ تولا جا سکا، کیونکہ عقیدے کا مسئلہ ہمیشہ سامنے آ گیا، "فنِ خطابت" کو تنقیدی معیار سے پرکھا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ادب نثر کی ایک بہترین صنف گوشۂ گمنامی میں پڑی رہی۔

سَو سال کے عرصے میں "فنِ خطابت" کا جو ڈھانچہ تیار ہوا ہے اُسے چند لفظوں میں اسطرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ "فنِ خطابت" کے ماہرین اپنی تقریر کا آغاز خطبے سے کرتے ہیں اور خطبے کے خاتمے پر قرآن کی کسی آیت یا حضرت پیغمبرِ اسلامؐ کی کسی حدیث کو سرنامۂ کلام بناتے ہیں اور اسی کی روشنی میں مضامین بیان کرتے ہیں، تقریر کی ابتدا میں ذکرِ فضائلِ اہلبیتؑ اور آخر میں مصائبِ اہلبیتؑ کا بیان ہوتا ہے۔ "ذکرِ حسینؑ" کے فیض سے فنِ خطابت نے اپنی ارتقائی منزلیں بتدریج خوبصورتی کے ساتھ طے کی ہیں۔ خطابت کا سب سے بڑا فائدہ ملّتِ جعفریہ کو یہ پہنچا کہ اس ملّت کے افراد بچپن ہی سے دوسری اقوام کے مقابلے میں بہت زیادہ معلومات کا ذخیرہ اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتے ہیں اور اس طرح اپنے دین کے ماضی سے ان کا رشتہ مسلسل ہوتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ ملّتِ جعفریہ کے افراد کا ذہن خالص ناقدانہ ہو جاتا ہے اور باطل کی تحریر و تقریر

کے فریب میں کسی صورت سے نہیں آتے تیسرا فائدہ یہ ہے کہ عقائد اس قدر مستحکم ہو جاتے ہیں کہ ملّتِ جعفریہ کے افراد سے عقائد پر گفتگو کرنا دوسری قوم کے افراد کے لئے بہت مشکل ہو جاتا ہے، چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اردو بولنے والے ہر قوم کے افراد کے مقابلے میں ملّتِ جعفریہ کے افراد زبان و بیان کے اصولوں سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ پانچواں فائدہ یہ ہے کہ ادب اور شاعری کا ذوق اور مطالعہ کا شوق بھی افرادِ قوم کو ہم ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ہر دور میں نئے نئے خطیب اپنی خطابت کی تعمیر بھی اپنے بزرگ خطیبوں کی خطابت سے متاثر ہو کر کرتے ہیں۔

میں نے لکھنؤ سے کراچی تک بلامبالغہ ہزاروں مجلسوں میں شرکت کی اور ہندوستان و پاکستان کے مشہور خطیبوں اور ذاکروں کی سینکڑوں تقاریر سُنی ہیں، ان کے شگفتہ طرزِ بیان کی یاد دل پر نقش ہو گئی ہے، مولانا سیّد کلبِ حسین مرحوم عرف کبّن صاحب، مولانا سیّد ابن حسن صاحب نونہروی مرحوم، مولانا سیّد اولاد حسین مرحوم عرف للّن صاحب، مولانا محسن نواب صاحب مرحوم، مولانا نجم الحسن صاحب نبّار، مولانا مرزا محمد طاہر صاحب عرف مُلّا طاہر، مولانا شمس الحسن بجنوری، مولانا سیّد محمد صاحب دہلوی، مولانا سیّد ابن حسن جارچوی مرحوم، مولانا سلیمان عباس مرحوم، ان میں سے چند خطیبوں کی خطابت کے موضوع پر ۱۹۷۹ء کے ارشاد کراچی محرّم نمبر میں ایک تفصیلی مضمون تحریر کر چکا ہوں، ان تمام خطیبوں کی خطابت لاجواب تھی لیکن علّامہ رشید ترابی مرحوم کا رنگ و آہنگ کسی حد تک سب سے جدا گانہ تھا۔ انھوں نے طرزِ خطابت کو ایک ایسے سانچے میں ڈھال دیا تھا جس میں جدید و قدیم علوم کی تمام لطافتیں سمٹ آئی تھیں۔

علّامہ رشید ترابی مرحوم کے مزاج میں مشکل پسندی ضرور تھی وہ اپنی تقریروں میں زیادہ گہرے مضامین کے لئے دقیق زبان بولا کرتے تھے اس کے باوجود ان کے طرزِ ادا میں بلا کا سحر تھا اور اپنی وسعتِ نظر اور وسعتِ زبان کے باوجود وہ اپنے سامعین کو چند لمحوں میں اس طرح مسخّر کر لیتے تھے کہ ان کے ایک ایک فقرہ پر وہ جھومنے لگتے تھے۔ ان کی تقریروں میں ریسرچ اور علمی تحقیق کے عجیب رُخ ہوتے تھے، خطابت کے لئے جن امور سے پوری واقفیت ضروری ہے

علّامہ رشید ترابی مرحوم ان سب علوم سے بخوبی واقف تھے، اشارات، استعارات، تلمیحات، شعر، احادیث، تفاسیر، قرآنِ پاک غرض انھیں ان سب سے باموقع اور برمحل استفادہ کرنا اچھی طرح آتا تھا، انھیں قرآنِ پاک کا بیشتر حصّہ یاد تھا، وہ نہج البلاغہ کے تقریباً حافظ تھے، اُنھوں نے مولانا رومؔ اور اقبالؔ کا بہت گہرا مطالعہ کیا تھا، وہ انگریزی زبان اور جدید علوم پر پورا عبور رکھتے تھے، وہ سائینٹفک عہد کی ضروریات اور عصری تقاضوں کا کلّی شعور رکھتے تھے، انھوں نے ائمہ طاہرینؑ کے پیش کردہ فلسفۂ زندگی کے مطابق ہر علمی بات کو مسلمانوں کے مفادات کے لئے پیغام بنا کر پیش کیا۔ انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی اپنے علم اور اپنی خطابت سے وہ معیاری خدمت انجام دی ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کے اوراق پر ہمیشہ نمایاں رہے گی۔

پورے ہندوستان میں دبستانِ لکھنؤ کی خطابت کا سکّہ چلتا تھا، ملّتِ جعفریہ کا ہر خطیب لکھنوی رنگ سے ہی وابستہ رہا، علّامہ رشید ترابی مرحوم بھی اُسی دبستانِ خطابت کے ایک رُکن ہیں لیکن قدیم خطیبوں میں اور اُن میں ایک واضح فرق ہے، اُسی قدیم فنِ خطابت میں ایک آسمانی راستہ پوشیدہ تھا جسے قدیم خطیب تلاش نہ کر سکے، علّامہ رشید ترابی مرحوم نے خطابت میں وہ جدید راستہ اُسی طرح تلاش کر لیا جس طرح میر انیسؔ نے قدیم مرثیے میں تلاش کیا تھا،

سدا ہے فکرِ ترقی بلند بینوں کو
ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو

علّامہ رشید ترابی مرحوم نے قدیم خطابت کو سمک سے ثریّا تک پہونچا دیا، اور یہ طرزِ خطابت اُن کا اپنا طرز قرار پایا، انھوں نے خطابت میں قرآن کی آیات کا زیادہ استعمال اپنی قوتِ فیصلہ سے کیا تھا، اُن کے عہد میں ہر اسلامی مکتبۂ فکر میں قرآن پر تحقیقی و علمی کام کی رفتار بہت تیز تھی، ہر فرقے کا عالم تفسیرِ قرآن کی تکمیل میں منہمک تھا، اُن کے عہد کی اسلامی آواز قرآنی تھی، انھوں نے آیات پر آیات پڑھ کر آلِ محمدؐ کے قرآنی موقف کو واضح کیا اور بتایا کہ اسلام میں سب سے بڑے مفسّرینِ قرآن آلِ محمدؐ ہیں۔ تقریروں میں شدّت سے آیات کا پڑھنا علّامہ رشید ترابی مرحوم پر

ختم ہوگیا، یہ اُن کے عہد کی ضرورت تھی، اب صرف اُن کی بھدّی نقل باقی رہ گئی ہے۔ انسان عمل کی نقل تو کر سکتا ہے۔ لہجہ کہاں سے لائے گا، اس لئے کہ انھوں نے آیات پڑھنے کا جو لہجہ اختیار کیا تھا وہ یوں تھا کہ جب وہ آیات تلاوت کرتے تو یوں محسوس ہوتا کہ آیات کا نزول ہو رہا ہے اور آج کل کے بعض خطباء آیات کی تلاوت نہایت بے ادبی کے ساتھ کرتے ہیں، علامہ رشید ترابی مرحوم جب آیات کی تلاوت کرتے تھے ایک ایک لفظ موتی کی طرح پرو دیا ہوا ہوتا تھا اور کانوں میں لفظوں کا آہنگ شہد بن کر ٹپکتا تھا۔ اور آج کل کے خطیب جب آیات کی تلاوت کرتے ہیں تو معاذ اللہ بلاتشبیہ ذبح کی ہوئی مُرغی پھڑپھڑاتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ علامہ رشید ترابی مرحوم آیات پڑھ کر استنباط یعنی حقائق سے نتائج اخذ کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ صرف "المُعجمَ المُفہرس" کی سلسلے وار آیات کو رٹ کر عوام کو سُنا دیتا ہیں۔ وہ اپنے موضوع کے اعتبار سے آیات کا انتخاب کرتے تھے، اُن کے جو عشرے چھپ چکے ہیں اُن میں یہ بات آسانی سے تلاش کی جاسکتی ہے، کفرانِ نعمت، حیاتِ طیبہ، توحید اور شرک، علمِ معصوم، قیامت اور قرآن، کتاب حکمت اور مُلکِ عظیم وغیرہ۔

علامہ رشید ترابیؒ نے آیاتِ قرآنی کو اپنی تقریروں میں پڑھ کر فکرِ جدید کی زہر ملی تاثیروں کا علاج کیا، انھوں نے آیات کا انتخاب اس طرح کیا تھا کہ نئے مغرب زدہ اذہان کی آوارگی کو شکنجے میں جکڑ دیا تھا وہ ایسے مفسرِ قرآن تھے جو فکرِ نو کے مصلح و مجدّد قرار پائے۔ انہوں نے قرآن سے یہودیت اور عیسائیت کو بھرپور جواب دیئے، آیاتِ قرآنی کی تلاوت سے جوانوں کو حرارت اور تعلیم یافتہ نسل کو حریفوں سے مقابلے کا انداز بتایا۔ انھوں نے آیاتِ قرآنی کے معنی و مطالب سمجھا کر پاکستان میں اسلامی روح کو متحرک کر دیا، انھوں نے آیاتِ قرآنی کی تفسیر اس طرح بیان کی کہ مسلمانوں میں اسلامی نظام کے نفوذ کا شعور پیدا ہوا۔

علامہ رشید ترابیؒ جب حضرت صادق آلِ محمدؐ کا یہ قول محی الدین عربی کی تفسیر سے پڑھتے "اللہ نے اپنے بندوں کے لئے قرآن میں تجلّی کی ہے" سامعین کی نظروں میں تجلّیاں منعکس ہوتی تھیں اور عجیب شان سے تشریح کرتے کہ "اب یہ آئینیں نہیں ہیں تجلّیاں ہیں لفظ آپ کی نگاہوں میں ہے مگر جب قلب رسولؐ پر تجلّیاں آرہی تھیں تو تجلّیوں کا ترجمہ رسولؐ کر رہا تھا"

ضمیر اختر نقوی

عنوانِ عشرہ

"علمِ معصومؑ"

دس مجالس :

بمقام نشتر پارک

۱۹۷۰ء

علامہ رشید ترابیؒ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

سرنامۂ کلام کی آیات

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ ۚ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۚ (۱۶۳) وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْکَ ؕ وَکَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا ۚ (۱۶۴) رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ۔ (۱۶۵) لٰکِنِ اللّٰهُ یَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَیْکَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِکَةُ یَشْهَدُوْنَ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ؕ (۱۶۶)

(سُوْرَۃُ النِّسَآءِ آیت ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶)

(ترجمۂ آیات)

"(اے رسولؐ !) بیشک ہم نے تمھارے پاس بھی تو اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور اُن کے بعد والے پیغمبروں پر بھیجی تھی اور جس طرح ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ و عیسیٰؑ و ایوبؑ و یونسؑ و ہارونؑ و سلیمانؑ کے پاس وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤدؑ کو زبور عطا کی۔ اور تم کو بھی ویسا ہی رسولؐ مقرر کیا جس طرح اور بہت سے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے تم سے پہلے ہی بیان کر دیا اور بہت سے ایسے رسول بھیجے جن کا حال تم سے پہلے بیان نہیں کیا اور خدا نے موسیٰؑ سے بہت سی باتیں بھی کیں۔ اور ہم نے خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے پیغمبر بھیجے تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کی خدا پر کوئی حجت باقی نہ رہ جائے اور خدا تو بڑا زبردست حکیم ہے۔ (یہ کفّار نہیں مانتے تو نہ مانیں) مگر خدا تو اس پر گواہی دیتا ہے کہ جو کچھ تم پر نازل کیا ہے خوب (سمجھ بوجھ کر) اپنے علم کے ساتھ نازل کیا ہے۔ بلکہ اس کی گواہی تو فرشتے دیتے ہیں، حالانکہ خدا گواہی کے لیے کافی ہے۔"

علم ایک نور ہے

(علّامہ رشید ترابیؒ)

نورِ صبحِ ازل کی یہ امواج
ذرّے ذرّے میں ضَوفگن ہیں سراج

سطحِ تاریخ پر نہیں ہے علم
فکرِ غوّاص کو ملا یہ تاج

ہم نے ہر شے کو سرسری دیکھا
علم ہے نور اور نظر ہے زُجاج

ربطِ اشیاء کا یہ مجرّد علم
ہے بشر کا ظہور میں محتاج

علم شیرازہ بندِ عالَم میں
فی الحقیقت ہے عقل کا سرتاج

علم ہے نورِ وحی سے مربوط
جہل ظلمت ہے ظلمتوں کا راج

علم مرکز ہے کائنات محیط
علم و تخلیق لفّ و نشر ہیں آج

علم کی انتہا ارے توبہ
علم نے عقل سے لیا ہے خراج

علم ہے عرشِ منتہائے کمال
خطِّ سیرِ بشر میں یہ معراج

علم شارح اَنا شناس ہوا
علم حق سے اِسی اَنا کی ہے لاج

ہے یہی تو اَنا مدینۂ علم
ہے درِ شہرِ اِسی اَنا کا مزاج

ربِّ زِدنی صدائے فکر و نظر
ہے سلونی یہاں کا رسم و رواج

جب حدیں ٹوٹتی ہیں علم کہاں
کیوں انا الحق کہے کوئی حلّاج

ادبِ زیست اُس پہ ہے لازم
جس کا آغاز نطفۂ امشاج

کوئی جاہل وَلی نہیں ہوتا
معرفت بحرِ علم ہے موّاج

علم کیا ہے بصیرتِ نبویؐ
اہلِ دل کے لئے یہی منہاج

علم ہی سے یقیں طلب ہے رشید
ہر شک و ریب کا ہے علم علاج

مجلسِ اوّل

۱۔ آنسو کی اہمیت

۲۔ حضرت امام علی رضا علیہ السّلام کا محرّم کا چاند دیکھنا۔

۳۔ علم کی تعریف ۔

۴۔ قرآن میں امکانِ خطا نہیں ہے ۔

۵۔ قرآن کو طاہر مَس کرسکتا ہے۔

۶۔ علم کا آغاز قوّتِ سماعت سے ہوتا ہے۔

۷۔ صاحبِ استقامت پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔

۸۔ علیؑ سے عَلَم کوئی چھین نہ سکا۔

۹۔ مدینے سے حسینؑ کا سفر۔

۱۰۔ اُمُّ البنینؑ سے علمدارؑ کی رخصت

عشرۂ محرّم الحرام سنہ ۱۳۹۰ھ / سنہ ۱۹۷۰ء بمقام نشتر پارک

یکم محرّم الحرام / ۱۰ مارچ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجلسِ اوّل

سنہ ۱۳۹۰ ہجری کا آغاز ہے، مالکِ لیل و نہار نے اپنی کرامتوں سے ہم کو یہ موقع عطا کیا کہ ہم پھر ایک مرتبہ تجدیدِ عہدِ وفا کریں۔ پھر ایک مرتبہ اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے علوم آلِ محمدؐ سے استفادہ کریں۔ ان مبارک ساعتوں سے اُن برکتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کریں جن برکتوں سے ہماری حیاتِ معنوی و حیاتِ روحی ہمیشہ مالا مال رہی ہے۔ آج محرّم کی پہلی تاریخ ہے۔ یہی دعا ہے کہ جو مُہلتیں ہم کو اس طرح غمِ سیّد الشہداؑ کے عنوان پر عطا ہوئی ہیں اُن مُہلتوں سے ہم فائدہ اُٹھائیں۔ بس دُعا تو یہ ہے کہ آنسو نہ تھمیں، چاند محرّم کا آپ دیکھ چکے، مہمان مطمئن ہو کر جائے، جس نے ہمارے جینے کی دعائیں کی ہیں بس وہ مطمئن ہوں کہ یہ جمع ہونے والے اپنا حق ادا کر رہے ہیں۔ دنیا ان آنسوؤں کو سمجھنے کی کوشش تو کرے۔

آنسو کسی پر اعتراض نہیں؟ ... کسی پر حملہ نہیں۔ آنسو ... کسی پر تنقید نہیں .... آنسو تلوار نہیں، آنسو تیر نہیں، آنسو سنان نہیں .... آنسو اعلانِ جنگ نہیں .... پھر کیا بات ہے کہ دنیا جس چیز سے خائف ہے وہ یہی آنسو ہیں۔ دنیا کی کوشش یہی ہے کہ یہ آنسو نہ بہیں، ہم نہ روئیں، عزا نہ ہو، کتنا عجیب سلسلہ قائم کر دیا۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے فرزند حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے محرّم کا چاند دیکھا اور آنکھ سے آنسو بہنے لگے۔

ابنِ شبیب بیان کرتا ہے میں بھی ساتھ ساتھ تھا۔ اور میں نے

فرزندِ رسولؐ کو دیکھا کہ چاند دیکھتے ہی رونے لگے مسلسل آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، میری طرف مڑ کر کہا: ابنِ شبیب! اگر کسی مصیبت پہ رونا آجائے تو میرے غریب جد حسینؑ ابنِ علیؑ پر رو لینا، ان جملوں نے ایک انقلابِ فکر پیدا کر دیا، حکومتوں کو یہ کد رہی کہ یہ غم نہ ہو، حکومت یہ نہیں چاہتی کہ دوسری متوازی حکومت قائم ہو ٹھیک ہے لیکن یہ صفِ غم سے کیوں اتنی کد ہے۔ یہ غم نہ ہو بس یہی تذکرہ جو اتنا عظمت والا تذکرہ ہے، ذکرِ مظلوم یہ ایسا ذکر ہے کہ سیری نہ ہو، ذکرِ مظلوم عجیب عنوان ہے۔ آج نشتر پارک کی اس پہلی مجلس میں ہم ایک مرتبہ پھر یہ عہد کرتے ہیں کہ کسی طرح حق ادا کر دیں، ____ !!

ان تقریروں کے لیے ہم نے یہ عنوان پسند کیا ہے۔ "علمِ معصوم" یہ بڑا ہی بلیغ عنوان ہے۔ اِس عنوان پر طویل مباحث کی ضرورت ہے۔ اُمید یہی ہے کہ میرے مفاہیم کو آپ سمجھ سکیں۔

علم کی تعریف کے لیے بسیط کتابیں لکھی گئیں، فلسفۂ علم کے عنوان پر کتابوں کے ڈھیر لگ گئے، نظریۂ علم کے عنوان سے دانشگاہِ تہران میں ایک کتاب ضخیم لکھی گئی ہے اس کتاب میں چالیس ۴۰ صفحے فقط علم کی تعریف پر لکھے گئے ہیں۔ ظاہر ہے مجلس میں یہ تمام فلسفیانہ مباحث پیش نہیں کیے جا سکتے، میں یہ نہیں چاہتا کہ اِن مباحث کو پیش کر کے آپ کے دل و دماغ پر بار لاد دوں، یہ سیدھا سادہ عنوان کافی ہے کہ بس یہ معلوم کرنے کی کوشش کیجیے کہ معصوم کو علم کہاں سے ملتا ہے؟ کیا آپ کے علاوہ کوئی اور بھی ایسا عنوان قائم کر کے ایسی تقریریں کر سکتا ہے؟ آپ نے یہ عنوان قائم کیا صرف اس لیے کہ وجودِ معصوم ہے۔ جہاں معصوم کا تصوّر ہی نہ ہو وہاں علمِ معصوم کا منشاء کیا ہو گا۔ نہ معلوم کتنی اصطلاحیں ہم استعمال کر جاتے ہیں جو دوسروں کے لیے ادب میں ناجائز ہیں۔ غیر پہ وہ اصطلاحیں زیب نہیں

دیتی ہیں۔" علمِ معصوم" کے عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے پہلے یہ طے کرلیں کہ گفتگو کہاں سے شروع ہو۔ کیا پہلے یہ گفتگو ہو کہ معصوم کی تعریف کیا ہے۔؟ یا بحث کا آغاز اِس طرح ہو کہ معصوم کا تعیّن کرکے یہ طے کریں کہ معصوم نے علم کہاں سے حاصل کیا۔؟ اور کیسے حاصل کیا ؟ آپ حضرات کے توسّط سے جب ہم دنیا سے مخاطب ہوتے ہیں تو یہ خطاب عیسائیوں سے نہیں ہے' یہودیوں سے نہیں ہے، مجوسیوں سے نہیں ہے، ہندوؤں سے نہیں ہے، بُدھ مت والوں کو یہ دعوتِ فکر نہیں ہے، ہم اپنی یہ آواز مسلمانوں تک پہنچا رہے ہیں۔ اور جب مسلمانوں سے گفتگو ہے تو پہلے یہ طے کرلیں کہ اگر ہم اور آپ بات کے نتیجے پر نہ پہونچیں تو ایک معیار طے کرلیں کہ ایک کسوٹی' ایک محک موجود ہے وہ فیصلہ کرنے والی ایک شے موجود ہے۔

اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو اُس سے رُجوع کریں گے، تو اے ملّتِ اسلامیہ ! قرآن سے بڑھ کر بھی کوئی کسوٹی ہے' کوئی معیار ہے، قرآن سے بڑھ کر بھی کوئی محک ہے۔ اگر کوئی بات متنازع ہو جائے تو اُس کا فیصلہ پھر ہم قرآن ہی سے کریں گے۔ اگر اختلافِ رائے ہو جائے تو قرآن کی طرف رُجوع کریں گے۔ اِس لیے کہ قرآن غلطی نہیں کرتا، قرآن میں امکانِ خطا نہیں ہے، ممکن ہے ہمارا ذہن خطا کرے ممکن ہے اَخذ کرنے والے خطا کریں، ممکن ہے ترجمہ کرنے والے خطا کریں، ممکن ہے تفسیر کرنے والے خطا کریں، ممکن ہے معنی کو تلاش کرنے والے خطا کریں، قرآن میں خطا نہیں ہے اور جہاں امکانِ خطا نہیں ہے، وہ معصوم ہے۔

اب ہم اور آپ کسی ایک نکتے پر متّحد ہو جائیں کہ کسی معصوم کا وجود تو ہے، ابھی تک یہ بحث تھی کہ معصوم ہے بھی یا نہیں، ؟ اب گفتگو یہاں تک آئی کہ معصوم کا وجود ہے اور وہ ایسا معصوم ہے کہ جہاں امکانِ خطا نہیں ہے

اور اگر ضرورت پڑے کہ کسی بات پر اختلافِ رائے ہو جائے تو ہم انتشارِ ذہن کو دور کرنے کے لیے رجوع کریں گے قرآن کی طرف، تو یہ طے کر کے آگے بڑھیں کہ قرآن میں امکانِ خطا نہیں ہے۔ دیکھئے ہماری سماعت میں خطا ہے، ہماری بصارت میں خطا ہے، ہمارے لمس میں خطا ہے، ہمارے شامّہ میں خطا ہے، ذائقہ میں خطا ہے، حواس میں امکانِ خطا ہے، اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے کسی سے یہ سنا ہے تو ممکن ہے اُس نے کچھ اور کہا ہو، کسی اور وقت کہا ہوگا، کسی مصلحت سے کہا ہوگا اور سننے والے نے اُس کا درک نہیں کیا، اور سنی ہوئی بات پر اتنا بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے درختوں کے بعض پتّوں کو دیکھا ہوگا کہ ہاتھ اگر مَس ہو جاتے تو وہ پتّے مرجھا جاتے ہیں، مطلب یہ کہ نباتات میں پہلی منزل قوّتِ لامسہ ہے۔ لمس نے ترقّی کی تو پھر سماع بھی ہے، بصر بھی ہے، شامّہ بھی ہے، ذائقہ بھی، لیکن حواس کی بنیاد لمس ہے۔ یعنی مَس کرنا۔ اندھوں کو کس طرح سے پڑھاتے ہیں، آپ کو معلوم ہے لمس کے ذریعے۔ بہروں کو کس طرح پڑھاتے ہیں کہ وہ آنکھ سے دیکھتا تو ہے لیکن سُن نہیں سکتا۔ اِس لیے اس کے لامسہ سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اور اگر لامسہ نہ ہو تو اُس کے علم حاصل کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ حواس کی پانچ صورتیں ہیں، سُننا، دیکھنا، چکھنا، سونگھنا، محسوس کرنا۔ باصرہ، سامعہ، ذائقہ، شامّہ، لامسہ، مگر بنیادِ حواس لامسہ ہے مَس کرنا، یعنی حواس کی ابتداء۔ پہلے یہ کہ مَس کرو، اور اگر مَس کرتے ہوئے ہی انسان نجاست اور طہارت کا خیال نہ کرے، اس لیے مَسِ قرآن سے ہشیار ــــ!!

حواس کے کسی اور حصّے یا پہلو پر قرآن اس منزل پر گفتگو نہیں کرتا، بلکہ مَس پر گفتگو کی گئی ہے، یہ نہیں کہا قرآن نے کہ دیکھو! جب قرآن پڑھو تو نگاہیں پاک ہوں، سامعہ پاک رہے، نہیں گفتگو یہ ہے: ارشاد ہوا:۔

"اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؕ" (آیت ۷۹) (سورۃ الواقعۃ ۵۶)

"کتاب کریم مکنون میں ہے، اُس کو مَس نہیں کرسکتا مگر طاہر۔"

قرآن کو مَس کرنے کے لیے طہارت کی ضرورت ہے۔ قرآن ایسا معصوم ہے.. جہاں مَس کرنے کے لیے طہارت چاہیئے۔ بہر حال حواس ذریعۂ علم ہیں سُن کے علم حاصل کیا، دیکھ کے علم حاصل کیا، چکھ کے علم حاصل کیا، سونگھ کے علم حاصل کیا، مس کر کے علم حاصل کیا۔

گفتگو یہ تھی کہ بہت سے درخت ایسے پائے گئے کہ جن سے انسان نزدیک ہو لمس صحیح ہو تو خیر ورنہ درخت سوکھ جاتے ہیں، پودے خراب ہو جاتے ہیں۔ غلط لمس سے نباتات کو نقصان پہنچتا ہے۔ لمس کے بعد، یعنی لامسہ نزدیک ہونا، لامسہ کے بعد ہے علمِ سامعہ، اس کے بعد ہے باصرہ، حواسِ ظاہری کے بعد حواسِ باطنی ہیں۔ اس طرح دونوں ایک جگہ ہو گئے۔

عزیزانِ گرامی! ہم "علمِ معصوم" پر گفتگو کر رہے ہیں۔ اِس سلسلے میں مبادیات کو طے کرتے ہوئے چند اُمور کو تمہید میں طے کرلیں تو مناسب ہو گا اِس عنوان پر غور و فکر کرنے کے لیے چند چیزوں کی ضرورت ہو گی۔ پہلی چیز نیّتِ خالص، اس لیے کہ یہ عبادت ہے اور عبادت بغیر نیّت درست نہیں، دوسری چیز یہ کہ جب نیّت دُرست ہو تو سنخیت بھی ہو، سنخیت کے معنی یہ ہیں کہ آپ اگر کسی چیز کو جلانا چاہیں تو کاغذ جل جائے گا، روئی جل جائے گی، کپڑا جل جائے گا، لیکن پتّھر نہیں جلے گا۔ سنخیت کپڑے میں ہے، روئی میں ہے کاغذ میں ہے لیکن پتّھر میں سنخیت نہیں ہے۔ یعنی مِلتا جُلتا مزاج ہو جس میں قبولیت کی کیفیت ہو، اِس لفظ کو سمجھ لیجئے۔ س، ن، خ، ی، ت "سنخیت"

یعنی قبول کرنے کی صلاحیت بھی ہو، نیّت اگر ہو بھی جائے اور قبولیت کی صلاحیت نہ ہو تو نیّت بیکار ہے۔ اور اب تیسرا امر یہ ہے کہ مطلوب و مقصود سے بے پناہ لگاؤ ہو، ربطِ قلب ہو، اور اگر یہ نہیں تو کچھ نہیں۔ اور اب چوتھا امر یہ کہ حواسِ ظاہری اور باطنی کا ہم آہنگ ہو کر قبول کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ آنکھ دیکھے اور دل نہ مانے۔ ایسا نہ ہو کہ کان سُنے اور دل تسلیم نہ کرے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ لذّتِ کلام حاصل کریں لیکن دل قبول کرنے سے روکے رکھے۔ حواسِ ظاہری و حواسِ باطنی کا اتّحاد ہو، سمع و قبول کے لیے۔ سمع و قبول بھی ایک اصطلاح ہے۔ یعنی سُن کر قبول کرنا۔ علم کا آغاز سماعت سے ہوتا ہے:

"لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" (سُورۃ النحل آیت ۷۸)

"(ایسے وقت میں تم دنیا میں آئے کہ علم نہیں تھا، تو تم کو (ہم نے) کان عطا کیے، آنکھیں دیں، دل عطا کیا لیکن تم شکر گذار نہیں بنتے ہو۔"

یہ قرآن کی آیت ہے۔

ذرائعِ علم میں پہلے کان، پھر آنکھ، پھر دل، اور اگر یہ حواس ظاہری و حواسِ باطنی مل جائیں تو سمع و قبول کی دولت ملتی ہے۔ اب آخری دو امر رہ گئے۔ وہ یہ کہ جب آپ نے کچھ سُن لیا تو حفاظت کیجیے۔ یہ قوّتِ حافظہ کے بڑے بڑے کارنامے ہیں۔ حافظہ عینِ عقل ہے "عقل نام ہے تجربوں کی حفاظت کا"۔ ہر حال میں کچھ مل رہا ہے، تو حفاظت کیجیے۔ اور جب محفوظ کر لیا تو اب تبلیغ کیجیے۔ تبلیغ کے معنی یہ نہیں کہ جہاں تبلیغ قابلِ اعتراض بن جائے۔ تبلیغ یعنی اپنے بچّوں کو سمجھائیے، اپنی بیوی کو سمجھائیے گھر والوں کو سمجھائیے، نوجوان دوست ایک دوسرے کو سمجھائیں۔ یہ

تبلیغ اپنوں کے لیے ہے غیروں کے لیے نہیں ہے ۔ وہ منزل دوسری ہوجاتی ہے اِس سلسلے میں ہم نے کبھی کوشش ہی نہیں کی ، اور نہ ہم نے تبلیغ کے اثرات دیکھے یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کون آرہا ہے اور کون جارہا ہے ۔ اور اب یہ آخری بات کہ کسی علمی موضوع کو سُن کر خصوصاً مذہبی موضوع جو آپ کے لیے عینِ ایمان ہو اُس کی ساتویں اور آخری منزل استقامت ہے ۔ اب شک نہیں ، ریب نہیں ، شبہ نہیں ، یعنی آپ کی یہ ساتویں منزل ہوگی اور قرآن کی یہ پہلی منزل ہوگی :

" ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (سورۂ بقرہ آیت ۲)

" اس کتاب میں شک نہیں ہے ۔ "

ابتدا میں کہہ چکا کہ نظریۂ علم پر بسیط کتابیں لکھی گئی ہیں ۔ آج کل ان کتابوں پر بحث چھڑی ہوئی ہے ۔ اِس لیے میری نظر ان اُمور پر ہے ۔ یہ کتابیں میرے زیرِ مطالعہ ہیں کہ شاید کہیں سے کچھ مل جائے ۔ جتنی کتابیں بھی اس موضوع پر پڑھنے کا موقع ملا ایک بات اہم ہے کہ تمام فلسفیوں نے نظریۂ علم میں یہ بحث کی ہے کہ شک کا امکان کہاں تک ہے ۔ ہر فلسفی نے ، یہاں تک کہ فلسفیوں کی ایک جماعت پیدا ہوگئی جن کا نام ہی ہے " تشکیک " ، یعنی شک کرنا ۔ ممکن ہے یہ ہو ، ممکن ہے یہ نہ ہو ، اِس طرح سے وہ شک کرتے کرتے آگے بڑھتے ہیں ۔ مشہور فلسفی رینا ڈیکارٹ (RENA DESCARTES)[۱] نے تمام اہلِ تشکیک کی ہم نوائی کرتے ہوئے کہا " میں تمھارے ہر شک میں شریک ہوں " ۔ یہ کائنات نہیں ہے ، نہیں ہے ۔ یہ سورج نہیں ہے ، نہیں ہے ۔ یہ دن نہیں نکلا ، نہیں ہے ۔ یہ روشنی نہیں ہے ، نہیں ہے ۔ اب اِس وقت میرے کان

---

[۱] نوٹ :۔ نام میں دونوں ایس (S) Silent رہیں گے چونکہ فرنچ (French) لفظ ہے ۔

میں کوئی آواز نہیں آرہی ہے، نہیں آرہی ہے۔ مگر میں ایک بات کو کیسے نہ مانوں کہ "میں ہوں" ڈیکارٹے یہ کہتا ہے کہ آخر یہ شک کرنے والی ہستی ہے کہ نہیں؟ یعنی جس کو شک واقع ہو رہا ہے وہ بھی نہیں ہے۔ یہ فاؤنڈیشن اس سے ملا کہ "میں تو ہوں"۔ دیکھئے کہاں سے آغاز کیا، چونکہ میں شک کرتا ہوں اس لیے میں ہوں۔ اب اس پر پھر کبھی بحث کریں گے کہ اُس نے اپنے فلسفے میں ترقّی کس طرح کی۔ بہرحال ایک طویل حصّہ مباحث کا شک کی نذر ہوگیا۔ اور اس طرح زندگی رائگاں ہوگئی۔ قرآن مجید زندگی کو رائگاں نہیں کرنا چاہتا، قرآن یہ کہتا ہے شروع کرو وہاں سے جہاں شک نہ ہو۔ ہماری آخری منزل تھی استقامت یعنی قدم جم گئے۔ اب لغزش نہیں، استقامت یہی استقلال بنے، یہی صبر بنے۔ سامنے سے کوئی ڈھکیلے، مصیبت ڈالے، لیکن قدم پیچھے نہ ہٹیں، یہ صبر ہے۔ اور اس منزلِ استقامت پر آپ یہ دیکھیں گے، جہاں آپ متّقین ہوگئے وہاں ایک اور نعمت آپ کو ملی۔ میں ایک علمی عنوان کو سہلِ ممتنع کر رہا ہوں چاہتا ہوں ہر ایک کے ذہن میں اُتر جائے۔ ارشاد ہوا:۔

"اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ..." (سورۂ حٰمٓ السجدہ آیت ۳۰)

"بے شک جنھوں نے کہا اللہ ہمارا ربّ ہے اور استقامت کی، اُن پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔"

یہ استقامت کی منزل ہے۔ کیا بات ہوگئی، کہا "اللہ"! اب ڈر نہیں ہے اب کسی سے گھبراتے نہیں ہیں، اب کوئی دشمنی کرے تو ڈرتے نہیں ہیں۔ تو کہا گیا ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور اگر ملائکہ نازل ہوتے ہیں تو اُن کا کیا کام ہے۔ کیوں بھیجتا ہے مَلک کو؟ ہم نے کہا "اللہ"؟ اور اللہ نے کہا ہم نے مَلک

بھیجے ۔ کیوں ؟ اِس لیے کہ تو نے استقامت پیدا کی اور ہم نے اپنی قضا و قدر کو اس بات پر آمادہ کیا کہ اب ملائکہ تائید کریں۔ ملائکہ تائید کریں کہ اب کوئی طاقت اِن کو پیچھے ڈھکیل نہیں سکتی۔ اگر استقامت ہے ایمان میں تو ملائکہ ساتھ ہیں، اب ملائکہ تو غیب میں ہیں، کس کے پاس ایمان ہے اور کس کے پاس ایمان نہیں، یہ میں کیونکر کہوں ۔ ! مگر قرآن درمیان میں ہے۔ جہاں اختلاف ہوگا قرآن سے پوچھ لیں گے، یہ طے ہوا کہ قرآن میں ملائکہ کا ذکر ہے نا، اتنی فصیح ہیں یہ آئتیں جنھوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے اور استقامت کی، اُن پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی دل چاہتا ہے ترجمہ نہ کیا جائے بلکہ صرف عربی پڑھی جائے۔ ذرا غور تو کیجئے بندے پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں، امام پر نہیں، نبی پر نہیں، اللہ کی حجتوں پر نہیں، فقط اُس پر جو یہ کہے اللہ ہمارا ربّ ہے اور استقامت پیدا کرے، گھبراؤ نہیں اُس نے ہم کو پکارا ہے، اُس نے ہم کو آواز دی ہے، ہم تنہا نہیں چھوڑیں گے، ہم مدد کریں گے۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں ملائکہ ساتھ ہیں؛ جو یہ طے کر کے چلے اللہ ہمارا ربّ ہے، رسول ہمارا واحد سہارا ہے، قرآن ہمارا سرمایہ ہے، دین کی حفاظت ہماری زندگی کا واحد مقصد ہے اور یہ کفار کا لشکر ہے اور لشکرِ کفّار سے کوئی مسلسل پکار رہا ہے، کوئی ہے محمدؐ کے لشکر میں جو میرے مقابل آئے۔ ایسے موقع پر آپ اسی قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہیں جو یہ کہے کہ اللہ ہمارا ربّ ہے اور استقامت پیدا کرے اور جو یہ طے کر کے چلے کہ اللہ میرا ربّ ہے، محمدؐ نبی ہے، قرآن کتاب ہے، محشر یقین ہے، اسلام کی حفاظت واحد مقصد ہے، یہ ذمّے داری میری ہے، میں نے وعدہ کیا ہے کہ دین کو بچاؤں گا اور لشکرِ کفّار سے آواز آرہی ہے، مقابل پر کون آئے گا۔ سب یہ کہہ کر پیچھے ہٹ گئے، یہ وہ عمرو ابنِ عبدوُد ہے جس نے شتر کے ایک بچّے کو سپر بنا کر

ڈاکوؤں پر حملہ کر دیا تھا۔ اور ایسے موقع پر ایک کا یہ کہنا۔ یا رسول اللہ " انا لہٗ "
یہ استقامت کی منزل ہے۔" میں اس کے لیے ہوں "۔ اب کیا پریشانی ہے
ملائکہ کی صفیں بھی ہوں گی۔ اس کے علاوہ کسی اور جنگ میں استقامت کو دیکھ کر
یہ کہا ہو گا کہ " کل عَلم دوں گا "۔ استقامت دیکھ کر رسولؐ یہ کہیں۔ یہ اتنا مستقیم ہے
اس کو عَلم دوں گا۔ یاد رکھیے ۔ ۔ ۔

وہ۔جب رسولؐ یہ کہہ دیں کہ میں علیؑ کو عُلم دوں گا، اب قیامت
تک کوئی علیؑ سے عَلم کو چھین نہیں سکتا۔"

بس اب وہ علمبردار ہے، ملائکہ کی صفیں ساتھ ہیں، گھبرانے کی بات نہیں
میں نے غُلو نہیں کیا، اور نہ لکھنے والوں نے غُلو کیا ۔ ۔ ۔ تلوار گراں
جا رہی تھی، ملائکہ کی صفیں کھڑی تھیں، مَلکِ مُقرّب کو حکم ہوتا تھا کہ
بڑھ کر زمین کو سنبھال لو، اُس نے پَر رکھ دیا تو اس میں غُلو کیا ہے۔؟

وہ عَلم آج بھی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ رسولؐ نے عَلم دیا ہے ۔ ۔ ۔
کوئی عَلم کو چھین نہیں سکتا۔ زبانی بھی نہیں، کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ ہمارا عَلم
ہے۔ یہ اُردو ادب کا معجزہ ہے کہ لفظ عَلم آپ کے لیے وقف ہو گیا۔ "عَلم
آ رہے ہیں "، تو دل نے گواہی دی کون لا رہے ہیں۔ یہ اصطلاحات آپ ہی
سے منسوب ہیں۔ عَلم باہر نکلا، قافلہ سوار ہو چکا، بیبیاں محملوں میں تشریف فرما
ہو چکیں، ایک بی بی کو ایک ایک بی بی کے وارث نے کبھی زانو کو اپنے خم کر کے
کبھی بازو کو تھام کے، کبھی پردۂ محمل کو اُٹھا کے سوار کیا۔ جب سواریاں سب
درست ہو چکیں، حسینؑ ابنِ علیؑ نے رکاب میں پائے مبارک رکھا، پُشتِ زین
پہ بلند ہوتے ہوتے نانا کے روضے کو آخری سلام کیا، اور آہستہ سے گھوڑے
کو اشارہ کیا، وہ چلا تو مدینہ چھوٹا، حسینؑ مدینے سے چلے، انصار چلے، بنی ہاشم

چلے، اعزّہ چلے، ناقوں پر پانی کی مشکیں بھری ہوئی، اسباب سے لدے ہوئے بھی کچھ ناقے تھے، پھر شہزادیوں کا کنیزوں کے حلقے میں آنا اور سوار ہونا ۔ ایک ایک محمل کی حفاظت عبّاسؑ و قاسمؑ کے سپرد ہے، یہ پورا قافلہ اس شان کے ساتھ چلا ۔ حسینؑ شاہِ مدینہ تھے ۔ حسینؑ مدینے میں فقیری نہیں کرتے تھے یہ بادشاہ کا گھر جا رہا تھا ۔ شہنشاہ کا گھر جا رہا تھا ۔ یہ ستاون برس کا آباد گھر منتقل ہو رہا تھا ۔ حسینؑ چلے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سب سے آخر میں پورے قافلے کا معائنہ کرتے ہوئے، ایک وہ علمدار جس کے پاس عَلم تھا اُس نے رکاب میں پاؤں رکھا، پُشتِ زین پر بلند ہونا چاہتا تھا کہ بیت الشرف کا پردہ ہٹا کسی کنیز نے پکار کر کہا، شہزادے ماں بُلا رہی ہے ۔ شہزادے اِدھر آؤ ۔۔۔ عبّاسؑ گھوڑے سے اُتر پڑے، ماں کی خدمت میں آئے، ماں کے قدموں پر سر کو رکھ دیا ۔۔۔ تو ماں نے سر کو سینے سے لگا کر کہا ۔۔۔ میرے لال! تمھارے ساتھ اور بھی میرے تین جوان بیٹے جا رہے ہیں ۔ عبّاسؑ کی ماں کی بڑی طاقت ہے چار جوان بیٹے ۔۔۔ جاؤ عبّاسؑ جاؤ، مگر زہرؑا کی کمائی سے ہشیار ۔۔۔ !!

عبّاسؑ ۔۔۔ ! میں نے زندگی بھر زہرؑا کی کنیزی کی ہے ۔

مجلسِ دوم

۱۔ سورۂ نساء کی آیات کی تفسیر۔

۲۔ قرآن مجید اور عالمِ کتاب کا مِثل ممکن نہیں۔

۳۔ علم کی تقسیم اور دولت کی تقسیم میں فرق۔

۴۔ حضرت علی علیہ السّلام کا خط مالکِ اشتر کے نام۔

۵۔ غالب اور اقبال کے کلام میں ابوذرؓ اور سلمانؓ کا تذکرہ

۶۔ علمِ معصوم کو کوئی چھین نہیں سکتا۔

۷۔ ہر صاحبِ علم پر دوسرا عالم ہے۔

۸۔ ختمی مرتبت ص نے کس سے تعلیم حاصل کی؟

۹۔ حدیثِ مَنیّت۔

۱۰۔ مکّہ سے امام حسین علیہ السّلام کا سفر۔

عشرۂ محرّم الحرام سنہ ۱۳۹۰ھ / سنہ ۱۹۷۰ء

بمقام نشتر پارک

دوسری محرّم / ۱۱ مارچ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مجلس دوُم

علمِ معصوم کے عنوان پر آپ دوسری تقریر سماعت فرما رہے ہیں جن آیات کی تلاوت کی گئی، یہ سورۂ نساء کی آیات ہیں۔ آیت کا نشان ۱۶۳ ہے اس ابتدائی آیت کا ترجمہ یہ ہے:

ارشاد ہوتا ہے کہ: "ہم نے تیری طرف وحی کی"۔ یہ پہلا ہی جملہ ہمارے وہم و قیاس و گمان و خیال سے باہر ہے۔ یہ بندوں کی طرف خالق کی وحی کیسے ہوتی ہے۔ اب اسی کو سمجھنا دشوار ہے۔ اِس لیے کہ نہ ہم پر کبھی وحی آئی نہ معاشرے میں کسی پر کبھی وحی آئی، نہ کبھی کسی موقع پر ہم نے وحی کو آتے ہوئے دیکھا ہے اب کیا تعریف وحی کی کریں کہ کس طرح سے وحی آتی ہے۔ بجُز اِس کے چارہ نہیں کہ ہم آیات کا ترجمہ کریں اور اگر ایمان لانا ہے تو ایمان لائیں ورنہ وحی کا انکار کردے تو وہ ہر قید سے آزاد ہو جائے گا۔

ارشاد ہوا:۔

"اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ کَمَآ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰی نُوۡحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ۚ وَاَوۡحَیۡنَآ اِلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِیۡسٰی وَاَیُّوۡبَ وَیُوۡنُسَ وَہٰرُوۡنَ وَسُلَیۡمٰنَ ۚ وَاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ۚ"

(سورۂ نساء آیت ۱۶۳)

ترجمہ: (ہم نے تیری طرف وحی کی جس طرح نوحؑ کی طرف ہم نے وحی کی تھی، اس (نوحؑ) کے بعد آنے والے انبیاء پر وحی کی تھی جیسے ہم نے وحی کی ابراہیمؑ کی طرف، اسماعیلؑ کی طرف، اسحاقؑ کی طرف، یعقوبؑ کی طرف، یعقوبؑ کے بیٹوں کی طرف، جیسے ہم نے وحی کی تھی عیسیٰؑ کی طرف، ایوبؑ کی طرف، یونسؑ کی طرف، ہارونؑ کی طرف، سلیمانؑ کی طرف ہم نے وحی کی تھی، ہم نے داؤدؑ کو زبور عطا کی۔)..... یہ چند انبیاء کے نام تھے جو ہم نے لیئے بہت سے انبیاء کے نام ہم نے نہیں لیے۔

"وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۚ"

(سورۃ النساء آیت ۱۶۴)

ترجمہ: (اور اُن رسولوں (پر) جن کا قبل ازیں ہم نے تجھ سے ذکر نہیں کیا اور اُن رسولوں (کی طرف بھی وحی کی) جن کا قصّہ (نام) ہم نے تجھ سے بیان نہیں کیا۔ اور (ہم نے) اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا، جو حق ہے کلام کرنے کا۔)

اور ہم نے مقامِ کلام پر فائز کیا موسیٰ کو، یہ وہ رسول تھے جو ڈرانے والے تھے۔ بشارت دینے والے تھے، بشیر تھے نذیر تھے، ہم نے وحی کی اور رسولوں کو بھیجا فقط اس لیئے کہ انسانوں میں کسی کو ہمارے اوپر حجّت قائم کرنے کا موقع نہ ملے، وہ نہ کہیں کہاں ہے تیری ہدایت۔؟

"رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝" (سورۃ النساء۔ آیت ۱۶۵)

ترجمہ: "(ہم نے) خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول (بھیجے) تاکہ لوگوں کے لیے رسولوں (کی بعثت) کے بعد اللہ پر کوئی حجت نہ قائم کرے (کہ کہاں ہے تیری حجت) بیشک اللہ عزیز ہے (اور) حکیم ہے۔"

اور اب آخری آیت سلسلے کی یہ ہے:

" لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ " (سورۃ النساء آیت ۱۶۶)

اللہ شہادت دے رہا ہے۔ یہ آپ کی اور میری شہادت نہیں، اللہ شہادت دے رہا ہے،

ترجمۂ آیت: "اور جو کچھ اللہ نے تجھ پر نازل کیا، اپنے علم سے نازل کیا، (اپنے خزانۂ علم سے ہم نے تجھ کو سرفراز کیا، ہم نے اپنے علم سے وحی کی ہے۔) اللہ شہادت دیتا ہے اور ملائکہ شہادت دیتے ہیں، اور شہادت کے لیے خدا کافی ہے۔"

کسی حد تک سرنامۂ کلام کی آیات طویل ہوگئی ہیں لیکن اس میں معنی ومفاہیم کے خزانے پنہاں ہیں۔ میں "علمِ معصوم" پر گفتگو کر رہا ہوں۔ پتہ چلا کہ نوحؑ کو بھی علم ملا، ابراہیمؑ کو علم ملا، اسماعیلؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ و اسباط کو علم ملا، عیسیٰؑ و ایوبؑ و یونسؑ و ہارونؑ و سلیمانؑ و داؤدؑ کو علم ملا۔ موسیٰؑ کو علم ملا، اور اے حبیبؐ تجھ پر جو کچھ نازل کیا ہے وہ اپنے علم سے نازل کیا ہے۔ تیرے پاس جو وحی آرہی ہے وہ علمِ الٰہی ہے۔ اب اگر کوئی وحی کی تعریف کرنا چاہے تو علمِ الٰہی کی تعریف کرے۔ خطاب مسلمانوں سے ہے کسی اور سے نہیں ہے

کوئی وحی کو سمجھنا چاہے تو علمِ الٰہی کو سمجھے، اور اگر کوئی وحی کے حدود معیّن کرے ایک سلسلہ ہے نزولِ وحی کا جس سے انبیاؑ مستفیض ہوتے رہے۔ ارشاد یہ ہے کہ ہم نے اسی طرح سے تیری طرف وحی کی ہے، جو تعجّب کا مقام نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ وحی سے آشنا نہیں ہیں تو کوئی فکر نہیں ہے۔ شہادت ہماری ہے، ہم گواہی دیتے ہیں۔ اللہ کی گواہی، جو نظر نہ آئے وہ شہادت کیا دے یعنی خدا شاہد ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ ذاتِ واجب یہ بھی انتظام کرے، اپنی شہادت کے لیے کوئی ایسی دستاویز موجود ہو جس پر نظر پڑنے کے بعد کسی کی مجال نہ ہو کہ یہ کہہ سکے یہ کسی بندے کا لکھا ہوا ہے۔ اس طرح سے ذاتِ واجب کی شہادت قرآن ہے۔ ذاتِ واجب نے یہ طے کیا کہ اس کی شہادت کے ۲ دو حصے ہوں۔ اگر نزول کا کوئی انکار کر دے تو اے رسولؐ اب ۲ دو گواہ چاہئیں۔ اس لیے ہم یہ چاہتے ہیں ہماری نمائندگی ۲ دو گواہ کریں۔ ہم نظروں سے پوشیدہ ہیں:۔

"یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا ۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ ۙ وَ مَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ ۟ ع

(سورۂ ۱۳ رعد آیت ۴۳)

"کافر یہ کہہ رہے تو مُرسل نہیں ہے، کہہ دے نا، اللہ گواہی کے لیے کافی ہے اور وہ جس کے پاس علم کتاب ہے۔"

ذاتِ واجب قرآن کو نازل فرما کے یہ اعلان فرما رہا ہے کہ اس قرآن کو دیکھنے کے بعد تم اندازہ لگا لو کہ ہماری شہادت کیا ہے، ہماری گواہی کیا ہے اس سے بڑھ کے اور کیا گواہی ہو گی ہم نے قرآن کو گواہ بنایا اور کیا ہو سکے تو ایسی کتاب لاؤ۔

"قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۸۸)

(ترجمہ) کہہ دیجیے کہ اگرچہ تمام انسان اور جنّ اس بات پر جمع ہوجائیں کہ اِس قرآن کی مثل لے آئیں تو اِس کی مثل نہ لاسکیں گے۔"

"انسان اور جن مل کر اگر کوئی ایسی کتاب لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے۔"

کتاب کی منزل یہ ہے کہ کتاب تہدید کر رہی ہے کہ میری طرح کی کتاب نہ آسکے گی اور کتاب کے ساتھ تم ایسا عالم کتاب بھی نہیں لا سکتے۔ اگر تمھارے پاس ایسا عالِم کتاب ہے تو لاؤ تاکہ ہم بھی دیکھیں، ہمارے دونوں معجزوں کا جواب نہیں ہوسکتا۔ نہ عالِم کتاب کی کوئی نظیر ہے نہ کتاب کی نظیر ہے۔

کل گفتگو تھی کہ کمالِ علم پر جو معصوم کا علم ہے، اُس ذاتِ گرامی کے حوالے علم کر رہا ہوں جس سے یہ عَلم وابستہ رہے گا۔ تو یہ عَلم رسولؐ ہے۔ یہ عِلم معصوم ہے اب کوئی اس سے عَلم لے نہ سکے گا۔ یہ عَلم کوئی چھین نہیں سکتا، میں جو کہہ رہا ہوں اگر کسی کے پاس کوئی جواب ہے تو میں یہ سمجھوں گا تقریر میں تشنگی ہے۔ کیا کسی موقع پر کسی نے علیؑ سے عَلم چھین لیا، نہیں عَلم اُسی کے گھر کا ہوگیا۔ عِلم معصوم یہ ہے جس کو جو عطا کرے، ربط کو دیکھے موقع کو دیکھے، مصلحتوں کو دیکھے، اپنی عطا کو ربط کے لیئے دیکھ کر عطا کرے۔ اور اس طرح عطا کرے کہ قیامت تک کوئی طاقت اِس عطا کو واپس نہ لے سکے۔ شاید آپ کی نظر زمین کے کچھ حصّوں پر جائے، زمین کے کچھ حصّے دیے تھے۔ لینے والوں نے بظاہر یہ بتلانے کی کوشش کی، ہم کو اس کی ضرورت ہے یہ چاہتے ہیں ہم لیکن جس کو دیا تھا وہ اُسی کے نام سے آجتک منسوب ہے۔ اور قیامت تک منسوب رہے گا۔ کوئی اس کا تذکرہ ہی

نہیں کرسکتا ہے۔ وہ مالِ دنیا دے یا مالِ آخرت، وہ دولتِ زندگی دے یا دولتِ ایمان، وہ جس کو علمِ معصوم عطا کردے اُسی کے لیے ہے۔

ہم علم کے موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ آپ کو فلسفے کی گتھیوں میں نہیں اُلجھاؤں گا۔ گفتگو سہل و مُمتنع ہوگی۔ علم سے انسان کو پہچانا جاتا ہے۔ علم مُعرِّفِ شخصیت ہے یعنی علم سے انسان کا تعارف ہوتا ہے کہ انسان کس درجے کا انسان ہے۔ علم انسان کی تکمیل کرنے والا ہوتا ہے۔ علم وہ ہے جو حق و باطل کی تمیز کردے۔ علم ہی کا کام ہے کہ ایک ایسا خزانہ بن کر اپنے عالِم کے پاس رہے جہاں عالِم کو علم کی حفاظت کی ضرورت نہ پڑے، بلکہ علم عالِم کی حفاظت کرتا ہے۔ میں اس مادّی دنیا کی حیرانیوں کو دیکھ رہا ہوں، دولت یہاں وافر ہے چھین لو، دولت یہاں زیادہ ہے رہنے نہ دو، دُرست ہیں یہ باتیں مجھے اعتراض نہیں، لیکن کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہاں علم زیادہ ہے بانٹ لو، یہاں علم بہتات میں ہے اس کو سب پر تقسیم کردو، قوم کو جاہل رکھنے سے کیا فائدہ علم کو تقسیم کیوں نہیں کرتے، کوئی کہہ سکتا ہے؟ گفتگو ہمیشہ مادّیت پر رُک جاتی ہے۔ کوئی معنویّت تک آنا ہی نہیں چاہتا۔ کوئی حقیقت تک پہنچنا ہی نہیں چاہتا ہے

حلّالِ مشکلات مولائے کائناتؑ نے مالکِ اشترؒ کو یہ خط لکھا تھا جب مالکِ اشترؒ کو گورنر بنایا گیا تھا۔ تحریر فرماتے ہیں: "اے مالکؒ! یاد رکھنا اُن لوگوں کو نہ بھولنا جو شہر میں بھوکے ہوں، پریشان ہوں، خستہ حال ہوں۔ میں نے اللہ کے رسولؐ کو یہ کہتے ہوئے سُنا، وہ قوم کبھی طاقتور نہیں ہوسکتی جس میں طاقت ور سے کمزور کا حق چھین کر نہ دلایا جائے۔"

یہ علیؑ کا وہ مشہور خط ہے جو آپ نے مالکِ اشترؒ کو لکھا تھا۔ یہ خط آج مصر کے

خزانے میں محفوظ ہے۔ امیرالمومنین ؑ نے حدیثِ رسولؐ سے استدلال کیا ہے "دیکھو! وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی، جس کو اُس کا حق چھین کر نہ دلادیا جائے۔" یہ وہ مقام ہے جہاں تقسیمِ زر پر گفتگو ہوتی ہے، جہاں تقسیمِ مال پر گفتگو ہوتی ہے۔ یہ علمِ رسولؐ ہے، یہ علمِ معصومؑ ہے۔ میں کسی اور کے آستانے پر جاکر کیوں مانگوں، کسی کے در پر کیوں بھیک مانگوں کہ کوئی ہمارے لیئے تقسیمِ مال کا انتظام کردے۔

امیرالمومنین ؑ ارشاد فرماتے ہیں: "مگر اے مالکِ اشتر! یہ تقسیمِ زر کا مسئلہ گورنر کے لیے بہت مشکل ہے، کہنا آسان ہے عمل مشکل ہے اور جہاں خطبہ کو آپ نے شروع کیا وہاں جملہ یہ ہے: مالک! اب تیری طرف لوگ اسی طرح دیکھ رہے ہیں جیسے تو گورنر کی کرسی پر آنے سے پہلے اُنکی طرف دیکھ رہا تھا۔ جس طرح تو اُن پر اعتراض کررہا تھا اب تجھ پر اعتراض کرنے والے موجود ہیں۔ پھر فرماتے ہیں: "یہ والیوں پر بڑا مشکل امر ہے کہ کس طرح سے تقسیمِ زر ہو۔ مگر مالکؒ! اللہ نے آسان کردیا ہے پروان چڑھنے والی قوموں کے لیے، مالک! مسکینوں کا خیال رکھنا، ناداروں کا خیال رکھنا اور اس طرح سے خیال رکھنا کہ اُن کے لیے قرار دے ایک حصّہ بیت المال سے، مختلف خزانوں سے وہاں کے مسکینوں کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور مقرر کردیا جائے"۔ متعدّد قومیں غریبوں کو الاؤنس دیتی ہیں۔ امیرالمومنینؑ نے ۳۶ھ میں یہ خط لکھ دیا تھا کہ اس کا خیال رہے۔ اب دنیا کہاں جانا چاہتی ہے، آخر کس آستانے پر سجدہ کرنا چاہتی ہے۔ آؤ دیکھو۔!

علی علیہ السلام اپنے بیٹوں کو آخری سانسوں میں ارشاد فرماتے ہیں:

" دیکھو! مسکینوں اور مزدوروں کا خیال رکھنا، اُن کو اپنی معیشت میں

شریک بنالو۔" ان کو بھی اپنے نفع میں شریک کرلو، تاکہ کل کے دن یہ فریاد نہ کریں، کل کے دن یہ آواز بلند نہ کریں۔" اب ایسوں کے علم کی موجودگی میں کسی اور آواز کو کیسے سنوں، کسی اور راستے پر کیسے چلوں، جہاں مال و دولتِ دنیا کا ذکر ہے وہاں معصوم خود یہ چاہتا ہے کہ تقسیم ہو اور مزاجِ معصوم کو سمجھنے والا ابوذرؓ تھا۔

ابوذرؓ شام سے نکالے گئے۔ ابوذر مدینے سے نکالے گئے ابوذر کی زندگی قابلِ فکر ہے آج کے لیے، ابوذر آخر کیا چاہتے تھے؟ ابوذر کس بات کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ایسے موقع پر ابوذر کو سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ مولائے ابوذر سمجھ میں آئیں۔ بارگاہِ معصومین میں اپنے جذبۂ صادق کو پیش کرنے والا جب صحیح راستوں کی تلاش کرتا ہے تو اُن راستوں کی تلاش میں کبھی سلمانؑ اور ابوذر کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ بلکہ انھیں راہوں سے جاتا ہے تاکہ مولا کو پہچانا جا سکے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے شاعروں نے ابوذرؓ اور سلمانؓ کی بڑی تعریف کی ہے اور یہ بھی ایک پہچان ہے۔ کسی شاعر کے دیوان میں تلاش کرو اور دیکھو اُس نے ابوذر کا بھی تذکرہ کیا ہے یا نہیں، سلمانؑ کا بھی ذکر ہے یا نہیں؟

از غلامانِ علیؑ ساخت ولائے تو مرا
تہنیت خواہ بر بوذر و سلمانؑ رفتم

" تیری محبت نے مجھے علیؑ کا غلام بنا دیا، جہاں تیری محبت میرے دل میں آئی میں نے علی کی غلامی قبول کی تو میرا دل چاہا کہ جا کر مبارک بادی مانگوں مجھے مبارک باد دو کہ میں علیؑ کا غلام ہوں۔" تو میں کس سے مبارکبادی مانگوں

میں تو چاہتا ہوں سلمانؑ اور ابوذرؑ مجھے مبارک باد دیں کہ میں علیؑ کا غلام ہوں۔ وہ کہیں آؤ غالبؔ ہمارے دائرے میں آؤ۔"

جس نے ارادہ کیا اور خلوصِ نیّت سے عارفِ معصوم ہوا وہ معصوم کے خدمت گذاروں کو پہچانتا ہے وہ معصوم کے حواریوں کو پہچانتا ہے اور یہی عزّت اقبالؔ کو بھی حاصل ہے۔ میں نے کسی تقریر میں کہا تھا، کوشش یہ ہے کہ اقبالؔ کی تلخیص کی جائے، اب کلامِ اقبالؔ کا خلاصہ پیش کیا جائے، مختلف اُمور کو چھوڑ دیا جائے۔

دیکھئے دنیا کہاں تک کامیاب ہوتی ہے۔ مصر میں کتابوں کے الفاظ بدل دیے گئے "صواعق محرّقہ" جیسی کتاب کی ترتیب بدل دی گئی۔ ظاہر ہے چند اشعار کے مجموعے کو رفتہ رفتہ بدل دینا کوئی تعجّب نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں آپ یاد رکھیں تاکہ مجموعے سے نکال دیا جائے تو حافظے میں تو رہے۔

ایسی منزل پر اقبالؔ جب اپنی عقیدت کو بارگاہِ عَلوی میں پیش کرتے ہیں تو وہاں اُن کو بھی یہی کہنا پڑتا ہے

زِ سیمائے کہ سودم بر درِ غیر
سُجودِ بوذر و سلماں نیاید

" وہ پیشانی جو میں نے غیر کی چوکھٹ پر رکھ دی، ایسی پیشانی سے سے بوذر و سلمانؑ کے سجدے نہیں نکل سکتے۔"

دنیا کی نظر مادّی چیزوں پر ہے کہ یہ تو تقسیم ہونے ہی کے لیئے ہے مگر جہاں تقسیم ناممکن تھی وہاں یہ کہنا پڑتا ہے "اگر یا علیؑ تم نہ ہوتے تو ہلاک ہو جاتا، میں مرجاتا۔"

بہت آسان تھا کسی دعوئی کرنے والے کے لیے کہ یہ کہتا کہ علم ہمارے پاس بھی ہے۔ آسان تھا کوئی کہتا ہم اب اِس علم کو چھین لیں گے نہ یہ کہا جا سکا کہ علم ہمارے پاس بھی ہے اور نہ چھیننے کی قوت آ سکی۔!

یہ علم معصوم ہے، دین و دنیا کی فضیلت کے اعتبار سے کوئی اُس کی فضیلت کو چھین نہیں سکتا۔ یہ مقامِ علم ہے۔ یہ جسمانی قوّت کا تذکرہ نہیں ہے جس کی وجہ سے خدا و رسولؐ اُس کو دوست رکھتے ہیں، یہ مقامِ علم ہے جس کی وجہ سے وہ خدا و رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔ مقامِ علم اتنا بلند ہے کہ خداوندِ اعلیٰ خود ارشاد فرماتا ہے کہ علم اور ایمان کے مرتبے بلند ہیں۔ بچّوں کو دینیات پڑھاتے ہوئے بتایا جاتا ہے کہ علم چوری نہیں جاتا، علم رائیگاں نہیں جاتا، علم کو کوئی چھین نہیں سکتا، علم خرچ کرنے سے اور بڑھتا جاتا ہے، علم کی حفاظت نہیں کی جاتی بلکہ علم عالم کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ سب آپ نے سُنا ہوگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اُس علم کے سائے میں یہ دیکھا کہ ایک گھرانہ ہے جس کے لیے یہ علم مختص ہوگیا۔

یاد رکھیے علمِ معصوم کی کوئی تو علامت ہو، نشانی ہو، علمِ معصوم کی کوئی پہچان ہو۔ ظاہر ہے وہ خود یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں دنیا کا سب سے بڑا عالم ہوں، ہر عالم پر ایک اور عالم ہے پھر اُس پر ایک اور عالم ہے۔ ہر صاحبِ علم پر ایک عالم ہے:

"وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ" (سورۂ یوسف۱۲ آیت ۷۶)

"اور (دنیا میں) ہر صاحبِ علم پر ایک اور عالم ہے"

مگر آپ ہمیشہ یاد رکھیں علمِ معصوم کی علامت اور نشانی ایک ہے وہ علامت ہے "سلونی" آپ سمجھ گئے، آپ کا دماغ کتنا شاداب ہے

آپ اسرار کے حامل ہیں اجنبی نہیں سمجھ سکتا۔ یہ کوئی عام بات نہیں ہے کسی مجمع میں کہنا " مجھ سے پوچھو قیامت تک کی باتیں پوچھو "۔ یہ ہے علم معصوم کی علامت، اور اگر غیر معصوم نے " سلونی " کہا تو اس کی اتنی بے حرمتی ہوئی، اتنی بے حرمتی ہوئی کہ اسے آخر میں مجمعے میں یہ کہنا پڑا، ارے عورتیں مجھ سے زیادہ پڑھی لکھی ہیں۔

یہ " سلونی " کا دعویٰ معصوم کو زیب دیتا ہے۔ غیر معصوم کو زیب نہیں دیتا۔ علم معصوم یعنی اس خزانے سے آئے، اس مصدر سے آئے، اس منبع سے آئے کہ جہاں آپ ہزار تحقیق وکاوش کے یہ پتہ نہ چلا سکیں کہ اس کو پڑھایا کس نے، یہاں اصل گفتگو " علم معصوم " کے موضوع پر شروع ہو رہی ہے معصوم کو کس نے پڑھایا ـــــ ؟

" فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ "
(سورۂ یونس آیت ۱۶)

" میں تو تم میں اس سے پہلے مدتوں رہ چکا ہوں تم کیوں نہیں سمجھتے "۔ آخر بچپن اور جوانی میری یہیں تمہارے سامنے گذری ہے۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لوگے۔ میرا بچپن اسی مکے میں ہے، میں باہر سے نہیں آیا ہوں، جوانی بھی اسی جگہ گذری، ارے چالیس برس اسی مکے میں گذار چکا ہوں۔ نبوت سے پہلے کا سارا زمانہ تمہارے سامنے گذرا مگر کوئی بتا نہ سکا کہ کس نے پڑھایا۔ تم نے دیکھا کسی کے سامنے زانوئے ادب طے کرتے ہوئے اور اگر نہیں دیکھا تو اب تو مانو، اور ہاں میرے علم کو ہٹا کر تم کبھی کبھی یہ کہتے ہو ـــ!

" بَلْ عَجِبُوا أَن جَاءَهُم مُّنذِرٌ مِّنْهُمْ (سورۂ قٓ آیت ۲)

" بلکہ تم کو تعجب یہ ہے کہ ڈرانے والا تمہیں میں سے ایک آیا "۔

تم مجھے اپنے میں سے سمجھ رہے ہو؟ تم کو دھوکہ یہ ہے کہ تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں تم میں سے ہوں۔؟ بڑی نزاکت ہے اِس جملے میں۔ تین مقامات ہیں جہاں ارشاد ہوا:

"وَعَجِبُوٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۫ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ۖ (سورۂ صٓ آیت ۴) [۳۸]

"اور اُن لوگوں نے اس بات سے تعجّب کیا کہ اُنہی میں کا (عذاب خدا سے) ایک ڈرانے والا (پیغمبرؐ) اُن کے پاس آیا اور کافر یہ کہنے لگے کہ یہ تو بڑا جادوگر (اور) جھوٹا ہے۔"

تم کہہ رہے ہو یہ میں نے نہیں کہا کہ میں تم میں سے ہوں، اور اب اگر رسولؐ یہ کہہ دیں " تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں "۔ صاحبِ سَلُونی کو بڑی بڑی فضیلتیں ملی ہیں لیکن یہ ایک فضیلت ایسی ہے کہ دو چھوٹے چھوٹے لفظ کسی کو نہیں مل سکے " اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْكَ "۔ " تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں "۔

یہ منزلِ سَلُونی ہے، یہ علمِ معصوم ہے۔ کل گفتگو یہیں سے شروع ہوگی، ہزار حدیثوں کو لکھ ڈالیے جمع کیجیے اور کسی کے لیے یہ چھوٹا سا ٹکڑا مل جائے۔ اسی لیے میں کبھی کبھی بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کرتا ہوں کہ دیکھ کر انتخاب کیا لاکھوں حدیثوں میں حدیثِ مِنّیّت کو چُن لیا اُنھوں نے اور بخاری شریف میں شامل کر لیا۔ علمِ معصوم ہے یہ جس کو جس عہدے کے قابل جانا جس لفظ کو جس کے قابل سمجھا اُس کو وہ لفظ دیا۔ معصوم ظرف کو بہتر جانتا ہے، معصوم مظہرِ علمِ الٰہی ہے۔ آج کی گفتگو ختم ہوئی۔

حسینؑ نانا کے روضے کے قریب کھڑے ہیں۔ سرِ اقدس کو ضریح پر

رکھا ہے ۔۔۔۔۔ ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کرکے کہتے ہیں ۔۔۔۔۔

"پروردگار! یہ تیرے نبی محمدؐ کی قبر ہے میں تیرے نبیؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں دیکھیئے، علمِ معصوم ۔ فرماتے ہیں "پروردگار! اب وہ وقت آگیا جس کا تجھ کو علم ہے"۔ یہ علمِ معصوم ہے ۔ فرماتے ہیں "پروردگار! مجھے پسند کرے اُس کام کے لیے جس کام سے تو راضی ہو"۔ علمِ الٰہی پر نظر ہے حسینؑ کی، بہ وقتِ سفر حسینؑ کی نظر علمِ الٰہی پر ہے ۔

تیسری شعبان کو حسینؑ مکۂ معظمہ پہنچے ۔ ۸ ذی الحجہ تک مکّے میں قیام کیا ۔ آٹھویں ذی الحجہ کی صبح تھی کہ ایک مرتبہ قافلہ تیار ہوا، لوگوں نے کہا: فرزندِ رسولؐ ہم کو چھوڑ کر جائیں گے ؟ ارشاد فرمایا: میری قربانیاں میرے ساتھ ہیں، مجھے کہیں اور قربانیاں دینا ہیں ۔ عبداللہ ابنِ عبّاس نے آکر رکاب کو تھاما کہا، مولا! نہ جائیے ۔ زمانہ دشمن ہے ۔ گرمی کا موسم ہے بچّوں کا ساتھ ہے ۔ بیبیاں ساتھ ہیں ۔ فرمایا: ابنِ عبّاس! میں نے نانا کو کل رات خواب میں دیکھا ہے، نانا کہتے تھے: حسینؑ جلدی کرو، اللہ یہ چاہتا ہے کہ اپنی راہ میں تجھے ذبح کیا ہوا دیکھے ۔

ابنِ عبّاس نے قدموں کو بوسہ دیکر کہا: پھر آپ اکیلے جائیے نا —! یہ فاطمہؑ کی بیٹیوں کو ساتھ کیوں لے جا رہے ہیں ؟

ابنِ عبّاس یہ کہہ رہے تھے کہ عماری پر کسی بی بی کا ہاتھ پردے کے قریب آیا اور آواز آئی، ابنِ عبّاس! بہن کو بھائی سے جدا کرنا چاہتے ہو ؟

——— ※ ———

مجلسِ سوّم

۱۔ علم عینِ رحمت ہے اور رحمت عینِ علم ہے۔
۲۔ علم طول میں ہوتا ہے۔
۳۔ معصوم کا علم طول میں نہیں بلکہ حضور ہے۔
۴۔ علم، شجاعت اور عبادت میں سب معصومین برابر ہیں۔
۵۔ صفّین میں امام حسین علیہ السلام کی شرکت۔
۶۔ بخاری اور مُسلم میں حضرت علی علیہ السلام کے فضائل۔
۷۔ حضرت ابو طالب علیہ السلام کا علم
۸۔ حضرت ابو طالب علیہ السلام کے نعتیہ اشعار۔
۹۔ حضرت میثمؒ تمّار کا علم اور شہادت
۱۰۔ پسرانِ حضرت مسلم ابنِ عقیلؑ علیہما السلام کی شہادت۔

عشرۂ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء تیسری محرم / ۱۲ مارچ
بمقام نشتر پارک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مجلسِ سوم

"علمِ معصوم" کے عنوان پر یہ تیسری تقریر آپ کی سماعت کے لیے ہدیہ ہے۔ سورۂ نسار کی طویل آیت کو آپ مسلسل سماعت فرما رہے ہیں۔ تلاوت کا تو ثواب ہے ہی لیکن اس کے معنی ومفاہیم کے حصول کے لیے یہ لازم ہوجاتا ہے کہ بہت سے علوم کی سیر ہو، بہت سے علوم پر انسان حاوی ہوجائے، تاکہ وحیٔ ربّانی کی تفسیر کرسکے۔ گزشتہ تقریروں میں یہ ذکر تھا کہ مسلمانوں کا یہ ایمان واثق ہے کہ قرآن میں امکانِ خطا نہیں۔ اِس لیے کہ وہ وحی ہے اور وحی محفوظ ہے اس پر تہدیدِ معجزہ ہے کسی فرد، جماعت، معاشرہ، سارے انسان مِل کے، کسی کی مجال نہیں ہے کہ کوئی اِس کتاب کی نظیر لاسکے، کتاب کے کسی حصّے کی نظیر بھی لانا ناممکن ہے۔ کلامِ پاک کو ذاتِ واجب نے اپنے کلام کی طرف منسوب کیا ہے وہ عینِ علم ہے۔ اُس کا علم اُس کی حیات، اُس کی قدرت عینیّت کے اعتبار سے امتیاز نہیں پاسکتی۔ حدودِ علم کیا ہیں، قدرت کیا ہے، اُس کی حیات کیا ہے، علم، قدرت، حیات یہ وہ صفاتِ الٰہی ہیں کہ جہاں ہم اُس کی عینیّت کو دیکھتے ہیں، علم کی منزل پر عینیّت کو اُلوہیّت کو اُس کی ذات ذی علم ہے ہر شے اُس کی ذات سے مُستنبط ہے۔ قرآن پاک کی ایک دُعاء ہے:۔

"رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا" (سورۂ مومن آیت ۷)

"اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔"

علم عینِ رحمت ہے اور رحمت عینِ علم ہے۔ وہ اپنی عندیّت سے جس کو علم عطا کرتا ہے اس کو رحمت سے بھی سرفراز کرتا ہے، حیات بھی سرفراز کرتا ہے، قدرت بھی سرفراز

کرتا ہے، وہ فقط مظہرِ علمِ الٰہی نہیں ہوتا، وہ مظہرِ قدرتِ الٰہی بھی ہوتا ہے، وہ مظہرِ حیاتِ الٰہی بھی ہوتا ہے۔ ذاتِ واجب نے اس کلامِ ربّانی کو اپنی ذات سے منسوب کیا جو آج آپ کے پاس محفوظ حالت میں ہے مسلمانوں کو ہمیشہ یہ افتخار رہا ہے اور رہے گا صرف ہمارے پاس ہے اور کسی کے پاس نہیں ہے اسی سے دل قوی ہیں، اسی سے قوّت ہے، مسلمان یہ چاہتا ہے اپنے تحصیلات کو، اپنے مفاہیم کو، اپنی تمام ضروریاتِ زندگی کو اسی قرآن سے حاصل کرے، اور قرآن سے پوچھے کیا حکم ہے۔

قرآن سے حاصل کرنے کی یہ خواہش عینِ اسلام ہے لیکن صلاحیّت کی بھی ضرورت ہے، صلاحیّت نہیں تو قرآن سے استنباط ناممکن ہوگا۔

یہ بات یاد رکھیں کہ بچہ جب ابتدائی درجوں سے علم حاصل کرنا شروع کرتا ہے تو جب تک پہلا سبق یاد نہ ہو دوسرا سبق نہیں دیا جاتا، جب تک دوسرا سبق یاد نہ ہو تیسرا سبق نہیں دیا جاتا۔ جب تک حروف پر نظر نہ جمے اُس وقت تک مرکبات نہیں بتائے جاتے۔ جب تک لفظوں پر نظر نہ ہو جملے نہیں سمجھائے جاتے، جب تک معنی کی استعداد نہ ہو اُس وقت تک دوسرے علوم کی راہیں نہیں کھولی جاتی ہیں۔ ہمارے علوم طُول میں ہیں، جیسے زینہ بہ زینہ جانا پڑتا ہے۔ آپ جو کچھ پڑھتے ہیں وہ طُول میں ہے لیکن علمِ معصوم طُول میں نہیں ہے کہیں سے تو یہ بات پتہ چل جائے کہ پیغمبرؐ نے کس سے پڑھا ہے۔ پہلا درس کس سے لیا ہے، ابتدائی کتابیں کہاں پڑھی ہیں، کچھ پتہ نہیں چلا، یکایک اُس کی زبان سے یہ جملے نکلے کہ جس نے مبدأ سے بدل کے معاد کی باتیں کی ہیں

پہلی وحی:

"كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ ۥ لَنَسْفَعًۢا بِٱلنَّاصِيَةِ ۝١٥ نَاصِيَةٍ كَٰذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝١٦"

(سورۂ ۹۶ علق آیت ۱۵۔ ۱۶)

"اگر اب بھی یہ انسان نہیں مانے گا تو ہم اس کی پیشانی پکڑ کے کھینچیں گے خطا کار پیشانی، جھوٹی پیشانی، مکّار پیشانی۔"

یہ پہلی وحی کے الفاظ تھے۔ اتنی شدّت ۔ معصوم کا علم طول میں نہیں ہے۔ پہلے یہ پڑھیے، پھر یہ پڑھیے۔ یہاں اگر آٹھ برس کا بھی ہو تو اُس کو بھی وہی علم ہے جو اُس کے جد کے پاس علم ہے۔ معصوم چھ برس کا ہو اُس وقت اُس کے پاس وہی علم ہے جو اُن کے پدرِ گرامی کو حاصل ہے۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام جب شہر طوس جا رہے تھے تو آپ کے صاحبزادے حضرت امام محمّد تقی علیہ السلام چھ برس کے تھے۔ لیکن زکریا ابنِ آدم جو ہمارا مشہور راوی ہے اُس وقت اُس کا سِن نوّے برس ہے۔ بھرے مجمع میں اُس وقت تک کھڑے ہوئے ہیں جب تک یہ چھ برس کا بچّہ بیٹھنے کی اجازت نہ دے۔ کسی نے کہا تمھارا جیسا عالم اور بچے کی نگاہوں کا انتظار کرے۔ جواب دیتے ہیں زکریا کہ اپنی بزرگی کو لے کر کیا کروں اللہ نے علم تو ان کو عطا کیا ہے۔ یاد رکھیے علم معصوم طول میں نہیں ہے۔ آپ اپنے کسی دوست سے مذہبی گفتگو کریں تو یکایک قیامت پر گفتگو نہیں کریں گے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ پہلی آسمانی وحی' لفظ " اقرأ " سے جو شروع ہوتی ہے۔ بے اختیار اس میں یہ جملے " کہدو کہ اگر یہ نہیں مانتا ہے تو اس کی خطا کار پیشانی کو کھینچتے ہوئے ہم جہنّم میں ڈال دیں گے۔"

مبدأ سے لیکر معاد تک علم بے واسطہ خالق حضورِ معصوم میں ہے۔ معصوم کا علم حصول نہیں ہوتا، حضور ہوتا ہے، یعنی ہر شے اپنے آپ کو معصوم کی بارگاہ میں پیش کردے۔ اس طرح یہ علم حضوری بے واسطہ خالق حاضر ہے "وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَآءُ" (سورہ بقرہ آیت ۱۰۵، آل عمران آیت ۷۴)

" اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے خاص کرلیتا ہے۔" مختص کرلیتا ہے

خدا سے کوئی یہ پوچھ نہیں سکتا کہ اُس پر وحی کیوں آتی ہے، نمرود پر نہیں، ابراہیمؑ پر وحی آتی ہے، کیوں ؟ یہ آپ کے پوچھنے کی باتیں نہیں ہیں، آپ نے مکان بنانے کے لیے زمین خریدی، کہیں خواب گاہ کے لیے مقام پسند کیا، کہیں غسل خانے کے لیے جگہ پسند کی، اور یوں مکان بن گیا۔ آپ سے کسی کو پوچھنے کا حق نہیں ہے کہ راستہ یہاں کیوں ہے، غسل خانہ یہاں کیوں ہے، آپ سے کوئی پوچھ نہیں سکتا اِس لیے کہ آپ اپنی مصلحت کو جانتے ہیں، آپ جگہ کے رُخ کو جانتے ہیں، آپ ہوا کے رُخ کو پہچانتے ہیں، ہزاروں مصلحتیں ہیں۔ ابراہیمؑ کو ابراہیمؑ ہی بننا تھا۔ نمرود کو نمرود ہی رہنا تھا۔

معصوم کا علم کیوں معصوم کو عطا ہوتا ہے یہ ہم رب سے پوچھ نہیں سکتے۔ ہم نے وحی کی نوحؑ کی طرف، اور اے حبیبؐ ! ہم نے وحی کی آپ کی طرف اِس میں انوکھا پن نہیں ہے۔

"اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ (سورہ نساء آیت ۱۶۳)

اے حبیبؐ !" ہم نے آپؐ کی طرف وحی کی جس طرح ہم نے نوحؑ کی طرف وحی کی۔" اور بعد کے انبیاء پر وحی کی تھی، ابراہیمؑ کی طرف اسماعیلؑ اسحاقؑ کی طرف و یعقوبؑ کی طرف بھی وحی کی تھی، اسباطِ یعقوبؑ کی طرف، عیسٰیؑ و ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ، سلیمانؑ، داؤدؑ اور موسٰیؑ کی طرف وحی کی تھی۔ حبیبؐ ہم نے اس بات کی شہادت دی ہے لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ اب تذکرہ نوحؑ کا نہیں ہے، اب تذکرہ ابراہیمؑ کا نہیں ہے، ایوبؑ کا تذکرہ نہیں ہے یعقوبؑ، موسٰیؑ اور عیسٰیؑ کا تذکرہ نہیں ہے۔ اللہ گواہی دیتا ہے کہ جو تم پر نازل کیا ہے اپنے علم سے نازل کیا ہے۔ یہ میرا علم ہے جو تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔ اور ملائکہ گواہی دیتے ہیں اور شہادت کے لیے خدا کافی ہے۔

حبیبؐ ! ہم نے کسی کو اجازت نہیں دی کہ کوئی آپؐ کو پڑھائے ۔
اے حبیبؐ ! اگر آپؐ کے سلسلے میں عصمت جاری ہے تو ہم کسی کو بھی اس کی اجازت نہیں دیں گے کہ اُس سلسلے میں کوئی کسی فرد کو پڑھانے کی کوشش کرے۔" میں علی باتیں کر رہا ہوں۔ آپ کی توجّہ نے عنوان کو ایک شادابی عطا کی ہے۔ عنوان کے مختلف پہلو واضح ہوتے جا رہے ہیں ۔

اگر انسان کسی بات پر دعویٰ کرے اور اگر کوئی بھی دعوے کو ردّ کر دے تو انسان سر کو جھکا لیتا ہے لیکن جب یہ دعویٰ کیا جائے کہ ختمی مرتبتؐ کے سلسلے میں جتنے معصوم آئے اُن کو بھی کسی نے نہیں پڑھایا۔ تو ایک کے لیے نہیں اِن سب کے لیے حکومتیں مل کر تلاش کریں، محدّثین کوشش کریں، مشائخِ اجازہ اپنی یادداشت کو درست کریں، اپنے حافظے پر زور دے کر بتائیں کہ ہم نے معصوم کو کون سی بات بتلائی تھی ۔ یہ دعویٰ ایسا ہے جس کی دلیل ہے ۔ یہ وہ برہان ہے جس کے لیے کسی کے پاس کوئی جواب نہیں ہے ۔ ذرا سا بھی امکان نہیں ہے ذاتِ خاتمؐ تو ایک طرف، اُن کی گود میں پلنے والے شیرِ دلاور کی طرف اشارہ کر کے کوئی کہہ سکے کہ ہم نے اس بچّے کو بھی پڑھایا ہے ۔

علیؑ نے فرمایا: "میں بچہ تھا رسولؐ مجھے اپنے سینے پر لٹاتے تھے ۔ اور اپنے بستر پر مجھے سُلاتے تھے، پہلے غذا کو اپنے دانتوں سے اچھی طرح باریک کر لیتے پھر مجھے کھلاتے تھے، علم کے ابواب مجھ پر کھولتے تھے۔"

علیؑ سے ساری عداوتوں کے باوجود کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہم نے علیؑ کو بچپن میں پڑھایا تھا۔ علیؑ تو سب سے چھوٹے تھے نا ۔ ارے بچّے تھے، جب اسلام لائے ، تو کس نے پڑھایا اِس بچّے کو۔ کوئی دعویٰ نہیں کر سکا۔ بات دور تک جائے گی۔

ایسا نہیں کہ عرب میں پڑھے لکھے نہیں تھے، عرب میں بہت پڑھے لکھے تھے، "سبعہ معلقات" کے آویزاں کرنے والے بھی تھے جن سے عربی ادب آج تک زندہ ہے۔ ایسے بھی تھے۔ مگر کسی کی یہ مجال نہیں ہوئی کہ یہ کہہ سکے، ہم علیؑ کے اُستاد ہیں۔ علم کی منزل ہی کچھ اور ہے، معصومؑ نے فرمایا: "اگر ہم کو پہچاننا چاہو تو تین باتوں میں پہچانو ——

حضرت امام محمدؐ باقر علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں:

"تین[۳] باتوں میں تمام ائمۂ طاہرینؑ سب کے سب برابر ہیں۔ ہمارے چھوٹے بڑے سب تین[۳] باتوں میں برابر ہیں:۔

(۱) علم (۲) شجاعت (۳) عبادت

اب کسی کا آٹھ[۸] برس کا سن ہو یا کسی کا ستاون[۵۷] برس کا سن ہو یا تریسٹھ[۶۳] برس کا ہو یا کوئی چھ[۶] برس کا، علم و شجاعت وعبادت میں سب برابر ہیں۔ فقط فاتحِ خیبر ہی شجاع نہیں ہیں۔ عابدؑ بیمار بھی شجاع ہیں "اصولِ کافی" کی حدیث ہے۔

فاتحِ خیبر و خندق ہو، فاتحِ بدر و حُنین ہو، جمل و صفّین و نہروان میں جس کی تلوار نے اپنا لوہا منوایا ہو —— ارشاد فرمایا ہم سب برابر ہیں۔!!

مالکؒ اشتر بیان کرتے ہیں: "لیلۃُ الہریر" کی لڑائی تھی، صفّین کی جنگ تھی، قیامت کی لڑائی تھی، علیؑ قیامت کا حملہ کر رہے تھے، ایک مرتبہ علیؑ کو اطلاع ملی کہ حسینؑ چلے لڑنے کے لیے، علیؑ نے کہا مالکؒ اشتر حسینؑ کو روک لو، اِس لیے روک لو کہ کہیں حسینؑ کے جسم پر کوئی زخم نہ آجائے نہیں یہ بات نہیں ہے۔ اِس لیے روک لو کہ کربلا مقدّر ہے۔ آج حسینؑ میدانِ جنگ میں آ گئے تو نقشۂ جنگ بدل جائے گا۔

علم میں شجاعت میں عبادت میں سب برابر ہیں۔ اُس دور میں ۱۱ھ سے لیکر ۲۶۰ھ تک جنید بغدادی، بسطامی، منصور حلاج حسن بصری، سفیان ثوری بھی بڑے بڑے عبادت کرنے والے گذرے کسی تصوّف کی کتاب میں کوئی یہ بتلا دے کہ کسی نے معصوم کو کوئی عبادت کا طریقہ یا کوئی دعا بتلائی ہو۔ یہ صوفیائے کرام معصومین کے ہمعصر ہیں، بڑے بڑے عبادت گذار، بالکل اسی طرح جس طرح کوئی علم میں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ہم نے پڑھایا ہے۔ عبادت میں بھی کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ہم نے کوئی طریقہ عبادت کا سکھلایا ہے۔ اور بالکل اسی طرح کوئی جانباز، کوئی نبرد آزما، کوئی پہلوان یہ نہیں کہہ سکتا کہ فنونِ سپہ گری علیؑ نے مجھ سے سیکھے تھے، بڑے بڑے پہلوان تھے عرب میں، پڑھے لکھے کم ہوں گے، پہلوان تو بڑے بڑے تھے لیکن کسی نے یہ بھی کہا کہ بچپن میں ہم نے ان کو یہ تعلیم دی تھی، یہ وار ہمارا سکھلایا ہوا ہے، کسی نے یہ بھی کہا کہ ارے گھر میں تلوار چلانے کی مشق کی تھی، کسی تاریخ میں ہے؟ ارے بغیر مشق کیے علیؑ بدر کے میدان میں یوں آتے۔ رسولؐ نہ بھیجنا چاہیں ان کو اور انصار کو بھیج دیا، تم جاؤ میں تمھارا مہمان ہوں تم میرے محافظ ہو۔ بھیج دیا۔ مکّے والوں نے کہا، جو لوگ آرہے ہیں ہم اُن سے واقف نہیں ہیں، اُنکو بھیجو جن کے نام ہم جانتے ہوں، جن کا نسب صحیح ہو۔ پھر گھر والے گئے حمزہؑ گئے، عبیدہ ابن حارث ابنِ عبدالمطلبؑ گئے، کمسنی علیؑ کی کمسنی وہ گئے نہیں کہیں مشق کی نہ تلوار چلائی۔ ہمیشہ مکّے میں تلوار تو پھراتے نہیں رہے۔ اب علیؑ جو بدر کی لڑائی میں آئے، اور بدر میں یہ آیت آئی قرآن گواہ ہے:

"هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ" (سورۂ حج آیت ۱۹)

"یہ دو گروہ ہیں جو (اپنے اپنے حق کیلئے لڑ رہے ہیں) اپنے اپنے ربّ کیلئے لڑ رہے ہیں۔"

میں بہت زیادہ مدّاح ہوں صحیحین کے جمع کرنے والوں کا، محمدّ اسمٰعیل بخاریؒ اور مسلم ابنِ حجاجؒ نے بڑی محنت کی احادیث کے جمع کرنے میں، کراچی میں "صحیح مسلم" چھپ چکی ہے، اُردو ترجمہ چھٹ جلدوں میں، مگر جہاں "صحیح مسلم" کو ختم کیا وہ اسی آیت پر ختم کیا۔ اور آیت کے نیچے لکھا کہ یہ آیت حضرت علیؑ کے لیے نازل ہوئی ہے۔ کتاب کا آخری صفحہ ہے ضرور پڑھیئے۔

اور اگر "بخاری" کو دیکھنا ہے تو تفسیر میں دیکھیئے۔ اُنھوں نے لکھا ہے۔ "حضرت علیؑ ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ "جب قیامت ہوگی تو سب سے پہلے میں کھڑے ہوکر رحمٰن کی بارگاہ میں عرض کروں گا، پروردگار! مجھ سے یہ دشمنی کی گئی"۔ اسی لیئے تو دونوں کتابوں کی تعریفیں کرتا ہوں کہ جس بات کو جس مقام پر رکھ دیا اُس کے معنیٰ یہ کہ یہ سمجھ کر رکھ دیا کہ حق پسند کبھی نہ کبھی فائدہ اُٹھالیں گے۔

نہ علم میں کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ ہم نے پڑھایا، نہ شجاعت کی منزل پر کسی پہلوان نے یہ کہا کہ یہ فنونِ سپہ گری علیؑ نے مجھ سے لیے ہیں۔ اور عبادت کی منزل پر نہ کسی نے یہ کہا کہ یہ دعا میری سکھلائی ہوئی تھی۔ یہ عجیب شرافت ہے۔ یہ عجیب بزرگی ہے کہ علم ملا تو شجاعت ملی، علم و شجاعت کی عطا ہوئی تو عبادت کی وہ کیفیت ہوئی کہ جس پر آلِ محمدؐ کو ہمیشہ افتخار رہا، علم، شجاعت، عبادت یہ ساتھ ساتھ ہیں۔ عبادت کے معنیٰ یہ کہ شجاعت ــــ! ورنہ بعدِ قتلِ حسینؑ، جہاں قافلہ رُکے وہاں زنجیروں کو تھام کر عابدِ بیمارؑ کا سجدہ، جس سجدے سے دنیا کو اختلاف ہے، وہیں کوئی تلوار کا وار کرتا کہ تمھاری نماز ہماری نماز سے الگ ہے لیکن یہ منزلِ شجاعت ہے کہ جس سجدے سے تم نے روکنے کے لیے میرے بابا کو قتل کیا وہ

سجدہ اب جاری ہے، وہ سجدہ باقی رہے گا۔ اور علم کی منزل پر یہ اپنی آپ نظیر ہیں اور یہ سب مِنَ اللہ ہیں، اسی لیے صرف شجاعت ہی نہیں عطا ہوئی بلکہ صرفِ شجاعت کے لیے تلوار بھی بھجوائی اور یہ کہہ کر "نہ ایسا جوان ہے اور نہ ایسی تلوار ہے۔"

ایک عجیب و غریب منزل یاد آئی معصوم فرماتے تھے کہ: "اللہ نے حرام قرار دیا ہے آتشِ جہنم کو اُس صُلب پر جس میں محمدؐ رہیں۔ اُس گود پر آتشِ جہنم حرام ہے جس گود میں محمدؐ پلے ہیں"۔ یہ معصومؑ کا ارشاد ہے۔ فرمایا: صُلب، صُلبِ عبداللہ، رحم، رحمِ آمنہؑ، گود، ابوطالبؑ کی گود، معصومؑ کا ارشاد ہے: "مجھے دوسروں کی فکر سے کیا لینا ہے۔ یہ ارشادِ معصوم ہے": جس گود میں معصوم پلتا ہے اُس کو اتنا علم مل جاتا ہے کہ فاطمہؑ بنتِ اسد کانپتی ہوئی ابوطالبؑ کے پاس آئیں اور کہا: اے ابوطالبؑ! مبارک ہو مبارک آمنہؑ کے یہاں فرزند کی ولادت ہوئی ہے۔ ابوطالبؑ نے مُسکرا کر کہا: "فاطمہؑ بنتِ اسد آج سے تیس ۳۰ برس کے بعد ایسا ہی فرزند تمھارے یہاں بھی پیدا ہوگا، مگر نبوّت نہ ہوگی"۔ جس گود میں معصوم پلتا ہے وہ اتنی دور دیکھتا ہے۔ یہ منزلِ ابوطالبؑ ہے۔ معصوم تو ایک طرف ابوطالبؑ کے کسی نقّاد نے بھی یہ تبصرہ نہیں کیا کہ ابوطالبؑ کس کے شاگرد تھے۔ ابوطالبؑ نے کس سے تعلیم حاصل کی تھی اور یہ ابوطالبؑ کی عصمت شناسی تھی، معصوم کو اس طرح سے ابوطالبؑ پہچانتے تھے کہ محمدؐ کو گود میں لے کر کہتے تھے:

وَ مِیزَانِ عَدلٍ لَا یُخِسُّ شَعِیرَۃً"

وَ وَزَّانِ صِدقٍ وَزنُہٗ غَیرِ عَائِلٍ

" یہ ترازو ہے عدل کا، جہاں پر کاہ تک کا وزن بھی معلوم ہو جائے گا

یہ تولنے والا ہے صداقت کا، جہاں اس کے تول میں ذرہ برابر بھی صداقت سے دوری نہیں ہوگی۔"

ابوطالبؑ بچپن میں محمدؐ کی عصمت کی گواہی دے رہے ہیں۔ یہ ۱۳۹۰ھ ہے۔ کلمہ پڑھتے پڑھتے زندگی گذر گئی۔ اب بھی کبھی کبھی شک ہوتا ہے مسلمانوں کو، کہ رسولؐ معصوم تھے یا نہیں، اور رسولؐ کے بچپن میں یہ اشعار بھی کہے تھے اور اب منزل بھی عجیب ہے۔ ابوطالبؑ رسولؐ کی نبوّت کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ ابْنَنَا لَا مُكَذَّبٌ
لَدَيْنَا وَلَا يُعْنىٰ بِقَوْلِ الْاَبَاطِلِ

"تم کو معلوم ہے ہمارا بچہ (محمدؐ) جھٹلایا نہیں جاتا (یہ نہیں کہ "جھوٹا نہیں ہے"۔ بلکہ کوئی جھٹلا بھی نہیں سکتا۔) اور باطل پرستوں کی باتوں کی ہم کو پروا بھی کیا ہے۔"

جو منزلِ عصمت سے قریب ہوگیا اُس کے علم کا کیا کہنا۔ رسولؐ کی نزدیکی نے سلمانؓ کو جو مقام عطا کیا، ابوذرؓ کو جو منزل عطا ہوئی، علیؑ کی قربت نے میثمِ تمارؓ کو جو مقام دیا، عمارؓ یاسر کو کیا مرتبے ملے، کتنا وقت درکار ہے یہ بتانے کے لیے کہ علمِ معصوم کس طرح پھیل گیا۔ کوفے کے ایک محلّے میں میثمؓ ایک درخت میں روز پانی ڈالتے تھے۔ درخت کے قریب ایک شخص کا مکان تھا، اُس نے کہا: کیا بات ہے میثمؓ تم اس درخت کی اس طرح پرورش کیوں کر رہے ہو؟ کہا: میں یہاں آنے والا ہوں۔ اُس نے کہا کیا پاس کا گھر لے لیا ہے تم نے؟ میثمؓ نے کہا: بس تمھارے قریب آنے والا ہوں۔ اُس شخص کو اُس دن پتہ چلا جب میثمؓ کو اُس درخت پر سولی دی گئی۔

میثمؒ کن علوم کے حامل تھے، کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔ میثم تمّار کو ۲۲ ذی الحجہ کو حضرت مسلمؑ کی شہادت کے دس روز بعد سولی دی گئی۔ میثم کو معلوم تھا مجھے یہاں سولی دی جائے گی۔ لیکن دل میں بس یہ تمنّا تھی، ایک ایک سے کہتے تھے کربلا جاؤ ــــ کربلا جاؤ، حسینؑ آرہے ہیں۔

یہ ہے میثم کا علم۔ ایک دن حبیبؑ ابنِ مظاہر سے مل کر کہا: حبیب ! بازار میں کیا کر رہے ہو ؟ ۔ حبیبؑ نے کہا: میثم ! بازار میں آیا تھا خضاب لینے کے لیے۔ میثم نے کہا: خضاب کی شیشی ہاتھ سے پھینک دو اِس لیے کہ تمھارے سر کے لہو سے یہ ڈاڑھی خضاب ہوگی۔ بازار والے ہنس رہے ہیں کہ یہ دیوانے کیا باتیں کر رہے ہیں۔ معصومؑ کے دامن سے جو قریب ہوگیا اُس کے علم کا کیا کہنا۔ میثم دیکھ رہے ہیں مسلمؑ کے قتل کو دیکھا، میثمؒ نے مسلمؑ کی لاش کو کوفے میں دیکھا، میثم نے مسلمؑ کے سر کو آویزاں دیکھا۔ ابنِ زیادلعنہ نے میثم کو بلا کر کہا تمھارا انتقام مجھے معلوم ہے۔ بس اتنا کرو کہ علیؑ کو بُرا کہو۔ میثمؒ نے کہا: زندگی جس کی محبت میں گذر گئی اب آخرِ دم بھی اُسی کی محبت میں گذرے گا۔ ابنِ زیاد ! میں کچھ فضائل علیؑ کے سنا رہا ہوں سنو ! دربار میں علیؑ کے فضائل بیان کیے۔ ابنِ زیادلعنہ نے کہا: میثم ! ہم تم کو دار پر لٹکا دیں گے۔ کہا: میرے مولا نے بھی یہی کہا تھا۔ اُس نے کہا: ہم تمھارے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیں گے۔ میثمؒ نے کہا: میرے مولا نے بھی اس کی خبر دی تھی۔ کہا: میثم ! ہم تمھاری زبان کاٹ دیں گے۔ کہا: میرے مولا نے یہی کہا تھا۔ آخری زخم مجھے جو لگے گا وہ یہی ہوگا۔ ابنِ زیادلعنہ نے جل کر کہا: ہم تمھاری زبان نہیں کاٹیں گے تاکہ علیؑ کا جھوٹ ظاہر ہو جائے۔ میثم نے کہا: کسی کی مجال ہے جو میرے مولا کو جھٹلا سکے۔ ؟ ابنِ زیادلعنہ نے میثم کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر دار پر

لٹکا دیا، زبان میثمؔ کی چل رہی تھی، پکار پکار کر کہنے لگے کوفے والو! قریب آؤ
آج علیؑ کے وہ فضائل بیان کروں گا جو تم نے اب تک نہیں سنے ہوں گے۔ کوفے
والے جمع ہوگئے، میثمؔ نے فضائلِ علیؑ بیان کرنا شروع کیے۔ لوگوں نے جاکر کہا:
ابنِ زیاد! غضب ہوگیا میثمؔ مسلسل علیؑ کے فضائل بیان کر رہے ہیں۔ ابنِ زیاد
نے حکم دیا، اچھا، زبان کاٹ دو ــــــ جب زبان کاٹنے کے لیے آدمی آیا ــــ
ــــ زبان کو آگے بڑھا کر کہا ــــ کیوں، میرا مولا سچّا ہے نا ــــ!!

یہ ۲۰ ذی الحجہ کا واقعہ ہے، ۹ ذی الحجہ کو مسلمؑ کی شہادت، میثمؔ کی شہادت
کے بعد دس روز اور گذرے محرّم کا چاند حسینؑ نے سفر میں دیکھا، دوسری محرّم
کو حسینؑ کربلا پہنچے، دس محرّم کو حسینؑ کی شہادت ہوئی۔ خیمے جلنے لگے۔ دو
بچّے ہاتھ میں ہاتھ لیے ایک طرف بھاگے......... فوجوں نے گرفتار کیا
تیز رفتار گھوڑوں پر بچّے بٹھائے گئے۔ ابنِ زیاد کے سامنے بچّے پیش کیے
گئے۔ ابنِ زیاد نے پوچھا: تم کون ہو؟ بچّوں نے کہا: ہم مسلمؑ ابنِ عقیلؑ کے
فرزند ہیں۔ ابنِ زیاد نے کہا: قید کر دو ــ ماں قید ہو کے ابھی آئی نہ تھی کہ بچّے
قید ہوگئے۔ ماں کوفے میں قید ہو کر آئی بھی اور چلی بھی گئی، بچّے قید میں رہے۔ ایک
سال کامل گذرا، چار اور پانچ برس کے اِن بچّوں نے قید میں عیدیں بھی منائیں
اِسی قید میں رمضان بھی گذرا اور اسی قید سے اتنی مہلت بھی ملی کہ مشکور زندان بان
کی قید سے آزاد ہو کر چلے، دوبارہ اسیر ہوئے، قاتل کے مہمان ہوئے، دریا
کے کنارے لائے گئے۔ بچّوں نے نماز ادا کی، قاتل نے بچّوں کو قتل کیا۔
ننھے ننھے سر لیے ہوئے قاتل ابنِ زیاد کے دربار میں پہنچا، سروں پر نظر پڑی
ابنِ زیاد تعظیم کے لیے کھڑا ہوگیا۔

ابنِ زیاد نے کہا: حارث! کیوں قتل کیا، یہ تو معصوم بچّے تھے۔
اے امیر! بچّوں نے بڑی منتیں کیں، کبھی کہتے تھے مدینے لے چل تجھے انعام دلائیں گے، کبھی کہتے تھے زلفیں کاٹ کر بازار میں بیچ ڈال، کبھی کہتے تھے زندہ لے چل ابنِ زیاد کے پاس، لیکن میں نے ایک نہ سُنی اور دونوں کو قتل کر دیا۔

ابنِ زیاد نے کہا: ارے کوئی ہے جو حارث کو قتل کرے؟
حارث کو لے کر اُسی مقام پر پہنچا جہاں بچّے قتل ہوئے تھے۔ اُس نے پوچھا یہ ریتی پر لہو کے نشان کیسے ہیں؟ ارے یہ لہو کے نشان ایسے ہیں جیسے کوئی بہت زیادہ زمین پر تڑپا ہو ——— !!

مجلسِ چہارم

۱۔ سلسلۂ معصوم کی حدیث میں غیر نہیں آسکتا۔

۲۔ معصوم کا سلسلۂ حدیث معصوم سے ہی ہوتا ہے۔

۳۔ حضراتِ صادقینؑ اور اصولِ کافی۔

۴۔ ولایت یعنی حق سے قُربت۔

۵۔ اللہ نے قرآن میں اپنے بندوں کے لیے تجلّی کی ہے۔

۶۔ شاگرد وہ ہے جو اُستاد کا نام روشن کرے۔

۷۔ حضرت خضرؑ کے پاس علمِ لَدُنّی تھا۔

۸۔ حضرت آصف بن برخیا کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا۔

۹۔ سورۃ التّوبہ (برأت) اور علمِ معصُومؑ۔

۱۰۔ علم آجانے کے بعد پھر مباہلہ ہے۔

۱۱۔ شہادتِ حضرت حُرؑ۔

عشرۂ محرّم الحرام ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

بمقام نشتر پارک

۴ محرّم / ۱۳ مارچ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجلسِ چہارم

سورۂ نساء کی آیات کو آپ سماعت فرما رہے تھے۔ آخری حصے کو عنوان بنایا گیا ہے۔ آپ کو سلسلۂ فکر یاد رہے، "علمِ معصومؑ" کے عنوان پر یہ چوتھی تقریر ہے۔ کل گفتگو یہ تھی کہ علمِ معصومؑ کا مدرک کیا ہے۔؟ علمِ معصومؑ کے مدارک و مآخذ کیا ہیں، ؟ حدیث کے جمع کرنے والے کسی مورّخ نے بلکہ حدیث کے وضع کرنے والے نے بھی یہ جرأت نہیں کی کہ جن کو ہم ائمہ معصومین کہتے ہیں اُن کے علم کے لیے اساتذہ کا اعلان کیا جائے۔

عام طور سے محمدؐ یعقوب کلینیؒ کی سوانح حیات میں لکھا جاتا ہے ان کے اُستاد کون تھے، اور پھر یہ لکھا جاتا ہے، اِن کے شاگرد کون تھے۔ جب بھی کسی عالم پر گفتگو کی جاتی ہے تو ماں باپ کے نام کے بعد پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ انھوں نے حدیث کو لیا کس سے، اِس علم کو کس سے پایا۔ لیا کس سے اور کس کو دیا، علم کی تاریخ میں یہ ہوتا آیا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ سب نے ائمہ معصومینؑ کے احوال کو لکھنے کی کوشش کی "خزینۃ الاولیاء" جیسی کتاب ضخیم ہمارے پاس موجود ہے اُس میں سارے ائمہؑ کا حال موجود ہے۔ پھر سبط ابن جوزی کی کتاب ہے "قصائص الائمہ" جس میں تمام ائمہ کے حالات ہیں، اور اسی طرح بہت سی کتابیں ہیں لیکن کسی نے یہ لکھتے ہوئے کہ ان کے پدر گرامی یہ تھے، ان کی اولاد یہ تھی، کسی نے یہ جرأت نہیں کی کہ یہ لکھتا اُنھوں نے علم کس سے لیا تھا۔ وضاحت کے ساتھ یہ بھی نہ کہہ سکے کہ انھوں نے روایت کو کس سے لیا۔

دیکھئے ایسا نہیں کہ میں کہنا کچھ چاہتا ہوں اور کہہ کچھ اور رہا ہوں۔ نہیں میں وہی کہہ رہا ہوں جو عالمِ اسلام کی آواز ہے۔ اُسی آواز کو آپ تک پہنچا رہا ہوں سبھوں نے اولادِ رسولؐ کے سلسلے میں حُجِ الٰہی کو مانا، یہ اور بات ہے کہ صوفیائے کرام مقابل پر آئے۔ یہ اور بات ہے کہ محدّثین عالی مقام سامنے آئے لیکن یہ نہ لکھ سکے کہ انھوں نے کسی سے تعلیم حاصل کی اور نہ یہ لکھ سکے کہ اُن میں کوئی خُلقی یا خَلقی بُرائی تھی خَلقی بُرائی یعنی ایسا چہرہ اور بُشریٰ تھا یا بدشکل تھے۔ اس طرح کی کوئی بات مورّخ نہ لکھ سکا۔ بہت سی کتابیں موجود ہیں جس میں یہ موجود ہے کس کا کیسا چہرہ تھا۔ اگر ذرا سی کوئی بات ہوتی تو نہ جانے کیا کیا معصومین کیلئے لکھ دیتے لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ حدیث وضع کرنے والے اُئمہؑ کی خُلقی بُرائی لکھنے سے قاصر رہے۔ عجیب گھرانا ہے، خدا جس گھرانے کی طہارت کی خود ذمّہ داری لے لے اُس کے لیے خَلقی یا خُلقی بُرائی تلاش کرنے کا امکان ہی باقی نہیں رہتا۔

ہم گفتگو کو مشاہدات پر لے جا رہے ہیں۔ تیرہ سو برس کے عرصے میں جو کچھ بھی لکھا گیا، لکھنے والوں نے یہ ضرور لکھا کہ اُن کا حق نہیں تھا لیکن کہیں یہ نہ لکھ سکے کہ ان میں کوئی اخلاقی بُرائی تھی۔ ہاں یہ ضرور لکھا کہ حدیثوں کا ایک سلسلہ اُئمہؑ طاہرین کے ذریعے سے آیا، مقدمہ ابنِ خلدون کو ملاحظہ کیجیے اس کے ابتدائی حصّے میں ہے، معصومینؑ نے کتنی حدیثوں کو پیغمبرؐ کی جانب منسوب کر کے بیان کیا۔ اُن حدیثوں میں اتنی اجنبیّت تھی کہ نئے نئے مذاہبِ فکر پیدا ہو گئے، اُنھوں نے جو حدیثیں بیان کی ہیں وہ اپنے ہی گھرانے کے حوالے سے بیان کی ہیں۔ میں نے اپنے جد رسولِ خداؐ کی حدیث کو اپنے پدرِ گرامی سے لیا، اُنھوں نے اپنے پدرِ گرامی سے سُنا، کوئی غیر روایت میں شامل نہیں ہے، کوئی اور روایت

میں داخل نہیں ہے۔ ایک مسئلہ شروع میں حل کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔

علم کی بحث میں ہمیشہ ایک معیار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اِس مسئلے میں ایک محک کی کسوٹی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے سونے کو کس کے دیکھتے ہیں۔ جوہری، جواہرات کو پرکھتے ہیں۔ اسی طرح علم کو پرکھا جاتا ہے، کتنا علم ہے، ایسے موقع پر علم کا ایک معیار ہوتا ہے۔ بعدِ پیغمبرؐ حدیث کے دو[2] راستے تھے ایک راستہ بذریعۂ اہلِ بیتؑ آیا، دوسرا راستہ اہلِ بیتؑ سے ہٹ کر آیا۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں آپ اِن دونوں راستوں میں سے کس کو کس کے لیے معیار بنائیں گے۔ یعنی ارشاداتِ اہلِ بیتؑ حضرت امام جعفر صادق صلواۃ اللہ علیہ کے لیے معیار یہ ہے۔ دیکھو امام جعفر صادق علیہ السلام نے کیا کہا۔ دیکھو سعید خدری نے کیا کہا، دیکھو کسی اور صحابی نے کیا کہا، وہ سب میرے سر آنکھوں پر مگر معیار اہلِ بیتؑ ہیں مثلاً سفیانِ ثوری نے یہ کہا، تو اُس کو لیکر میں اس معیار پر پرکھوں گا کہ صادقِ آلِ محمدؐ نے بھی یہ کہا یا نہیں کہا۔ یعنی اہلِ بیتؑ غیر اہلِ بیتؑ کے لیے معیار ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت امام محمد باقر صلواۃ اللہ علیہ کی کسی حدیث کو لے کر ہم حدیث کی کسی کتاب کے معیار پر پرکھیں کہ کہا یا نہیں کہا تھا۔ جہاں یہ تصوّر آجائے وہاں ہمارا عقیدہ متزلزل ہوجائے گا اِس لیے کہ ظرفِ عصمت کچھ اور ہے۔ یہ مسئلہ طے کرلیجیے کہ اہلِ بیتؑ ساری دنیائے علم کے لیے معیار ہیں۔ اہلِ بیتؑ کے لیے کسی کو کسوٹی نہیں بنایا جاسکتا، کسی اور کو معیار نہیں بنایا جاسکتا، اور اہلِ بیتؑ کو کیوں معیار بنانا پڑتا ہے۔ اس لیے معیار بنانا پڑتا ہے کہ یہ کتاب کے ساتھ ساتھ جارہے ہیں۔ اہلِ بیتؑ[4] علم کی محک ہیں۔ اب اگر سولہ[16] ہزار ایک سو ننانوے حدیثیں" کافی " میں ہیں۔ یہ اور حدیثیں اگر اہلِ بیتؑ سے ہیں تو یہ معیار ہیں، یہ پرکھ ہیں۔ دوسروں کے کلام کو ان کے

ارشادات پر جانچیں گے۔ جو کچھ کہنے والے نے کہا وہ کہاں تک حق ہے۔ ارکانِ اسلام کی بحث میں اصولِ کافی میں صادقین یعنی دو امام۔ پانچویں امام اور امام ششم سے حدیث ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ اور ولایت۔ اور یہ کہہ کر کہا کہ یہ میرے جد نے فرمایا۔ اور حدیث صحیحین میں ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور کلمۂ لا الٰہ۔ یہ کلمۂ لا الٰہ کا ٹکڑا یہ بتا رہا ہے کہ ولایت تو یہیں سے لی لیکن اپنی انفرادیت کو الگ کرنے کے لیے دوسرے ٹکڑے کو تلاش کیا جو ولایت کی جگہ رکھ دیا جائے۔ لیکن معصوم کے علم کا احاطہ یہ ہے کہ کلمۂ لا الٰہ کو بھی اُسی لفظِ ولایت میں لے لیا۔ بس فرق یہ ہے جو لا الٰہ الّا اللہ کہہ دے، بخاری نے کہا اس کے لیے جنّت ہے لیکن حضرت امام علی رضا صلواۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو لا الٰہ الّا اللہ کہے، وہ عذابِ الٰہی سے امان پاتا ہے۔ اور یہ کہہ کر جب سواری آگے بڑھی تو اسحاق ابنِ راوحہ یعنی اجازۂ شیخ بخاری نے کہا کہ امامؑ نے فرمایا: سواری کو روک لو۔ سواری رُکی، پردۂ محمل کو اُلٹ کے کہا " بِشَرطِهَا وَ شُرُوطِهَا " تو اب لا الٰہ الّا اللہ شرط کے ساتھ ہے۔ لا الٰہ الّا اللہ کے ساتھ جہاں شرط آجائے وہ ولایت ہے۔ اور ولایت کے معنی قُربِ کمال ہے۔ نزدیکی، حق کی دوستی، حق سے قُربت، اُس کو ولی بنانا۔ اُس کو ولی گردانا، حق ولی ہے:۔

" اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ " (مائدہ ۵ آیت ۵۵)

روایت کہیں بدل رہی ہو یا کوئی لفظ حدیث کا بدل رہا ہو تو اُس کے لیے ہم معیار چُنتے ہیں کلامِ معصوم سے۔ اس لیے کہ معصوم کا علم سنبھالتا ہے، معصوم کے علم کا مدرک مآخذ ختمی مرتبتؐ کی ذاتِ گرامی ہے۔ ختمی مرتبتؐ کے علوم کا مرکز و مدرک وحیٔ ربانی ہے وہ وحی جو قلبِ رسولؐ پر آئے، ذاتِ واجب نے جو علم دیا وہ سارا علم نوری نور تھا

تفسیر شیخ اکبر دو جلدوں میں ہے اور نایاب ہے۔ محی الدّین عربی کی یہ تفسیر ہے۔ یہ ڈاکٹر اقبال کے استادِ روحانی ہیں۔ اقبال نے اِن کے بیانات سے بڑا فیض حاصل کیا ہے۔ محی الدّین عربی تفسیر کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔" میرے سیّد و مولا حضرت امام جعفر صادق صلواۃ اللہ علیہ نے فرمایا،" اللہ نے اپنے بندوں کے لیے قرآن میں تجلّی کی ہے "۔ اب یہ آیتیں نہیں ہیں تجلّیاں ہیں لفظ آپ کی نگاہوں میں ہے مگر جب قلبِ رسولؐ پر تجلّیاں آ رہی تھیں تو تجلّیوں کا ترجمہ رسول کر رہا تھا۔ اور وہ تجلّی ذاتِ واجب کی جو قرآن میں ہوئی حکیمِ مطلقہ ہے۔ علمِ الٰہی کی تعریف مختصر یہ ہے: اوّل بھی وہی ہے آخر بھی وہی ہے، باطن بھی وہی ہے ظاہر بھی وہی ہے، ہر چیز پر اس کا علم محیط ہے۔ یہ علمِ الٰہی ہے کثرتِ معلوم سے کثرت نہیں پاتا جو فنائے معلوم سے فانی نہیں ہوتا، جو تغیّرِ معلوم سے متغیّر نہیں ہوتا، جو انتقالِ معلوم سے منتقل نہیں ہوتا، ازلی ہے، ابدی ہے جاودانی ہے اُس میں فنا نہیں، اُس میں حدوث نہیں اور ہر آن ایک نئی تجلّی ہے اِس لیے کہ ذاتِ واجب لامحدود ہے۔ اُس حکیمِ مطلق کو جس کو علیم کہتے ہیں وہ علیم جس کو حکیم کہتے ہیں۔ اس کے لیے ہدایت کے لیے ضروری ہے کہ تجلّی فرمائے۔ اب کائنات ساری بنی ہوئی ہے ہر ذرّہ اِک آئینہ ہے اس کی تجلّی کو قبول کرنے کے لیے مگر علمِ الٰہی کی تجلّیوں کو ذرّات کیا قبول کریں، زمین و چاند تارے کیا قبول کریں، شجر، حجر کیا قبول کریں، دریا اور جبال کیا قبول کریں اِس لیے انسان کی تکمیل پر اسلام کو لایا، اسلام کی تکمیل پر ایمان آیا، ایمان کی تکمیل پر تقویٰ آیا، تقویٰ کی تکمیل پر ولایت آئی، ولایت کی تکمیل پر خُلّت آئی، خُلّت کی تکمیل پر نبوّت آئی، نبوّت کی تکمیل پر رسالت آئی، رسالت کی تکمیل پر آخری خاتمیّت آئی۔ کائنات میں ایک ہستی کو چُن کر کہا یہ میری تجلّی ہے۔ جو تجلّی حکیم نے کی، آپ بتائیں اگر آپ استاد ہوں

اور آپ واقعی بے چین ہوں کہ اپنے علوم کو منتقل کرنا چاہیں تو آپ یہ نہیں چاہیں گے
کہ قبول کرنے والا دل بھی ہو، قبول کرنے والا دماغ بھی ہو۔ ہر اُستاد یہ چاہتا ہے
ہشیار طالبِ علم ہو جو سب کا سب اُستاد سے لے لے۔ ہر اُستاد یہ چاہتا ہے
کہ ایسا شاگرد آئے جو اُستاد کے نام کو باقی رکھے۔ ہر اُستاد کی یہ کوشش ہوتی ہے
کہ میرا علم رائیگاں نہ جائے اور کند ذہن ہے شاگرد تو ایک دو سبق کے بعد اُستاد
شاگرد کو رخصت کر دیتا ہے، اب ضرورت نہیں اور اگر شاگرد کے ذہن میں صفا
ہے، جِلا ہے، آئینہ بنا ہوا ہے تو اُستاد نے کہا اور اُس نے قبول کیا۔ کائنات
میں ایک کو چن کے دیکھا کہ آئینے میں کہیں زنگ نہیں، کدورت کا نشان بھی نہیں
ہے اِس لیے کہا " طٰہٰ "۔۔۔۔! طاہر، دیکھا کہ اس میں ذرّہ برابر میل
نہیں ہے، کدورت نہیں ہے۔ ذرّہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے،
زنگ آلود ہوتا تو ایک طرف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گرد بھی آئینے پر نہیں جمتی ہے
اُس نے تجلّی کی آئینے نے قبول کیا، حکم ملا، اب اور آئینے تلاش کرو، علم کو
قیامت تک جانا ہے، آئینے کے مقابل آئینہ آئے، دوسرے آئینے کے بعد تیسرا
آئینہ آئے، تاکہ آفتابِ قیّوم درخشاں ہو، آئینۂ عبدیّت میں منعکس کرے آئینۂ
ولایت میں، آئینۂ ولایت منعکس کرے آئینۂ امامت میں اور اس طرح یہ سلسلہ
قیامت تک جائے: " طٰہٰ ۝ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓی "
(طٰہٰ۔ ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں فرمایا کہ آپکو مشقت ہو) (سُورۂ طٰہٰ آیت ۱-۲)
اپنے آپ کو وہ عزیز و حکیم کہتا ہے۔ یہ قرآن ہے۔ وہ علیم حکیم ہے۔ وہ
حکمت والا ہے جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے۔

یہ مثال آپ کے سمجھ میں آئی کہ آپ ہم جب پڑھنے جاتے ہیں تو ہمارے
پڑھانے والے کو پہلے یہ تلاش ہوتی ہے کہ قبول کرے گا یا نہیں، چہ جائیکہ ذاتِ واجب

جب علم دینا چاہے اور کون " اَلرَّحْمٰنُ " علم دینے والا کون ؟" رحمٰن "
یعنی رحیم نہیں کہا، خصوصیت ہو جاتی فقط صاحب ایمان کے لیے"۔ رحمٰن "
یعنی موسیٰؑ اور فرعون کو پالنے والا ، ابراہیمؑ و نمرود کی پرورش کرنے والا ۔
کافر و مسلم کو دیکھنے والا، ہر ایک کو رزق دینے والا رحمٰن جس کے فیض میں
کمی نہیں اور رحمٰن وہ کہ علم دے اور علم کون سا ۔ ؟

" اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ "

(سورۃ ۵۵ الرحمٰن آیت ۱ تا ۴)

قرآن کا علم دیا رحمٰن نے ، علم دینے والا کیا اس بات کا یقین رکھتا تھا
کہ جس کو علم دیا ہے اُس نے قبول کیا یا نہیں ، کیا اس کو بھی شک ہے جبکہ کتاب
کی تعریف لَا رَیْبَ فِیْهِ ہے ۔ تو جس کو علم دیا اس کے لیے یقین تھا کہ کامل
کو دے رہا ہوں ۔ ایک مجلّٰی آئینے کی طرف یہ تجلّیاں جا رہی ہیں ۔ رحمٰن علم دے اور
رحمٰن ہے کہاں : اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (سورۃ ۲۰ طٰہٰ آیت ۵)
" رحمٰن عرش پر ہے "۔ مفسّرین نے عرش کی تعریف میں دفتر کے دفتر لکھ دیے ۔
اُس میں ملائکہ کھڑے ہوئے ہیں ۔ ایسا قصر ہے ، ایسا محل ہے ، ایسا دربار ہے
ایسا بلند ہے ، اتنے ستون ہیں ، عرشِ الٰہی ہے ، اس میں جسم و جسمانیت کو پایا ،
مادّہ اور مادیّت کو پایا ، اور یہ روایتیں آئیں ۔ اب میں روایتوں کے لیے محک
کہاں تلاش کروں ۔ اُن روایتوں کو جانچوں کہاں ، معیار کیا ہے ۔ چلو پھر اُسی بارگاہ
میں ۔ فرزندِ رسولؐ ! آپ بتائیے " عرش کیا ہے ؟ " امام صادق علیہ السّلام فرماتے
ہیں !" عرش کمالِ علمِ الٰہی ہے " " اپنے علم پر مستوی ہے ، اپنے علم کے ساتھ ہے
رحمٰن اپنے علم پر اپنی تمام حکمتوں کے ساتھ یہ عطا کرتا ہے کہ جس بندے کو چاہے
دے دے ۔ خضرؑ کے لیے کہا : " اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ

مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ○ (سورہ ۱۸ کہف آیت ۶۵)

" علمِ معصوم " ہم نے اُس کو اپنی عِندیّت سے علم دیا ، خضرؑ کو علم دیا۔ اور خضرؑ گرتی ہوتی دیوار بناتے رہے ، موسیٰؑ کو بھوک لگتی رہی موسیٰ کہتے رہے ، اگر مزدوری کر لیتے تو کچھ کھانے کو مل جاتا ، اور سفینے کو نقصان پہنچاتے رہے سفینے میں سوراخ کردیا تاکہ ڈوب جائے ، بچّے کو قتل کردیا ، نبیؑ اولوالعزم نے کہا اب میں ساتھ نہیں دوں گا۔ خضرؑ نے کہا میں پہلے ہی کہہ رہا تھا۔ ذٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ○ (سورہ ۱۸ کہف آیت ۸۲)

کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کرسکیں گے۔ صرف مصیبت میں صبر نہیں ہے علم کی حیرانی میں بھی صبر ہے۔

اللہ نے خضرؑ کے علاوہ ایک بندے کو علم دیا۔ حضرت سلیمان نے بھرے دربار میں پوچھا : کوئی ہے جو ملکۂ سبا کا تخت میرے پاس پہنچا دے ؟

" قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَّقَامِكَ ۖ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ○ " (سورہ ۲۷ نمل آیت ۳۹)

" جنّوں میں سے ایک عِفریت (دیو) نے کہا میں اُس کو آپ کے پاس آپ کے دربار چھوڑنے سے پہلے لے آؤں گا ، اور بیشک میں اِس پر قوّت والا امانتدار ہوں۔ " سلیمان چپ ہو گئے۔

" قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ ...... (۴۰)

اُس نے کہا جس کے پاس بعض کتاب کا علم تھا۔ میں اتنی دیر میں لاؤں گا کہ جتنی دیر میں آپ کی پلک جھپکے "۔ ۔ ۔ کس نے کہا ؟ اُس نے کہا جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا اور نبیؐ کی رسالت پر دو گواہ بنائے۔ ایک اللہ

اور دوسرا وہ جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے۔ ہم علم کے موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں اور علم کا موضوع یوں بھی بہت خشک ہے اور پھر ادق بھی ہے لیکن محبّت کبھی کبھی اس موضوع کو اتنا آسان کر دیتی ہے کہ اللہ نے علم دیا تو دیکھ کے دیا اور علم کیا ہے قرآن ہے اور نبیؐ کو علم دیا تو یہ سمجھ کے کہ کہیں کوئی شکایت نہ کرے کہ گھر والوں کو کیوں دیا۔ اس لیے " برأت " کی آیتیں دیکر کہا۔ تم لے جاؤ اِن آیات کو۔ تھوڑی دور نہ گئے تھے کہ ارشاد ہوا: اے حبیبؐ! تم جاؤ یا وہ جائے جو تم سے ہو۔" یہ علم معصوم کی منزل ہے۔ یہ نہیں کہ نبیؐ نے معاذ اللہ غلطی کی، نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے زبانیں بند کر دیں۔

دیکھا آپ نے محبّت ایسی مشکل موضوع کو کبھی کبھی آسان بنا دیتی ہے۔ سمجھ میں آجاتا ہے۔ موضوع، یہی وہ منزل ہے جہاں ختمی مرتبتؐ کی بارگاہ میں کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ پہلے عتاب آیا، نہیں عمل پیغمبر حجّتِ پیغمبرؐ ہے۔ کبھی آپ یہ نہ کہیں کہ ذرّہ نوازی یہاں تک تھی علم تو دیا ہی تھا، ارے آیتیں ہی کم از کم مل جاتیں، کہا آیتیں لے جاؤ مگر حکم ہوا واپس بلاؤ ۔ !! یہ علم کی منزل ہے ـــــ " مباہلہ " ـــــ مباہلہ کی منزل علم کی منزل ہے۔ آیت آپ کو یاد ہے:

" فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ " (سورۂ ۳ آلِ عمران آیت ۶۱)

" علم آجانے کے بعد اے رسولؐ اگر کوئی حجّت کرے تو اب تلوار کی ضرورت نہیں ہے تو اب اپنے بیٹوں کو لاؤ، اپنی عورتوں کو لاؤ، لاؤ اپنے نفسوں کو، اب لاؤ رسولؐ تاکہ دنیا جان لے کہ آئینے یہ ہیں۔

مباہلہ میں لائے اِس لیے تاکہ علم کے آئینے سمجھ میں آئیں۔ یہ دُو مقام یادرکھنے کے قابل ہیں۔ سورۂ توبہ (برائت) کی ابتدائی آیات اور سورۂ آلِ عمران کی یہ آیات ' اِس کو آیۂ مباہلہ کہتے ہیں اِس میں علم پر گفتگو ہے " علم کے آجانے کے بعد اگر پھر بھی کوئی حجت کرے " یہ نہیں کہ تم بحث کرو۔ دیکھئے یہ عجیب علم ہے علم کے معنی یہ ہیں کہ آدمی بحث کرے لیکن نہیں ـــــ علم آگیا، لاؤ بیٹوں کو .... اب علم آگیا تو اے حسینؑ چلو کربلا چلو، کربلا کو آپ سمجھ رہے ہیں علم آگیا، بچّوں کو لے کر چلو، بیبیاں بھی ساتھ ہوں، نفس بھی ساتھ ہوں۔

مباہلہ میں حسینؑ کے نانا نے کہا تھا ہم جھوٹوں پر لعنت قرار دیں گے نانا نے کاذبین کو پہچنوایا، حسینؑ تم ظالمین کو پہچنواؤ ـــــ " ظلم کرنے والے کون ہیں۔ " ؟

حسینؑ بھرا گھر لے کر پہنچے، اِس طرح کہ بچپن کا ایک ایک واقعہ جیسے حسینؑ کو یاد ہے اُسی شان سے تقسیم کردی، تم اُدھر ہم اِدھر اور اُدھر نویں محرّم کو طے کرلیا کون کہاں ہے اور پھر ایک رات کی مہلت دیدی، تاکہ کوئی رات بھر تڑپے اور رات بھر تڑپ کے صبح کی اذان کے بعد اُدھر سے گھوڑے کو ایڑ لگا کر چلے، دونوں فوجوں کے درمیان اُترے یک بہ یک ہاتھوں کو پیچھے سے بندھوائے، سر کو جھکائے ہوئے حُرؑ چلا ـــ !

استقبال کے لیے حسینؑ چلے، فرزندِ رسولؐ ! یہ آپ کی مہلت ایک رات کی، یہ علم معصوم ہے، معصوم ہی بہتر جانتا ہے ۔ آپ کا یہ فیصلہ علم تھا اب محرّم کا چاند نکلتا ہے تو دس[10] راتوں میں بہت سے حُرؑ آتے ہیں اور باطل کا راستہ چھوڑ کر آتے ہیں۔ فرزندِ رسولؐ ! ہم کو معاف کردیجیے، مُولا قیامت تک حُرؑ آتے رہیں گے۔

حُرؑ آئے ـــــ اور یہاں بیبیوں کی ہمت بڑھ گئی کہ فوج کا سردار آگیا۔ اور آتے ہی کہا: مولاؑ! اس شرط پر آیا ہوں کہ آپ کے لشکر سے میرے علاوہ کوئی پہلے نہ جائے۔ مولاؑ نہ کسی ناصر کو جانے دوں گا نہ کسی عزیز کو جانے دونگا مولاؑ پہلے میں جاؤں گا۔

حسینؑ نے فرمایا: تو میرا مہمان ہے، مہمان کو کیسے بھیجوں۔

حُرؑ نے رو کر کہا "آپؑ بھی تو مہمان ہیں"

بیٹے کو ساتھ لیا، غلام کو ساتھ لیا، لشکر میں پہنچا، مبارزطلبی کی، مشہور رَجز ہے حُرؑ کا، اور اس کے بعد گھوڑے سے گرتے ہوتے آواز دی فرزندِ رسولؐ خدا حافظ۔ یہ پہلی آواز ہے جو میدان سے آئی ہے۔

جب حسینؑ حُرؑ کی لاش پر پہنچ گئے۔

حُرؑ نے مسکرا کر کہا، مولاؑ! آپؑ مجھ سے راضی ہو گئے۔ میں نے آپ کا راستہ روکا تھا۔ مولاؑ ـــــ!

کہا ـــــ حُرؑ! میں راضی، میرے جد راضی، میرا خدا راضی۔

ایسے میں حسینؑ نے دیکھا کہ اضطراب کے عالم میں حُرؑ اپنا سیدھا ہاتھ بار بار سر کے زخم پر رکھ رہے ہیں۔

مولاؑ نے پوچھا: حُرؑ! سر میں بہت درد ہے۔ حُرؑ نے کہا: مولاؑ! قیامت کا وار تھا نیزے کی انی پیشانی کے پار ہو گئی ہے۔

اتنا سننا تھا کہ حسینؑ نے کہا: حُرؑ قیامت تک کے لیے ایک دولت دیتا ہوں۔

یہ کہکر جیب سے فاطمہ زہراؑ کا رومال نکالا اور حُرؑ کے سر پر باندھ دیا۔

***

مجلسِ پنجم ۵

۱۔ قرآن اور بیان دونوں علم ہیں۔
۲۔ صحیح مسلم میں فضائلِ علی علیہ السلام۔
۳۔ بخاری نے کتاب العلم میں حدیثِ قرطاس کو لکھا۔
۴۔ نبیؐ لکھے تو وہ بھی علم ہے۔
۵۔ قرآن میں قرطاس کا ذکر ہے۔
۶۔ علم کا انکار سب سے بڑا ظلم ہے۔
۷۔ آدمؑ تا عیسیٰؑ ہر نبیؑ کا علم لیکن شہرِ علم ایک ہے اور بابُ العلم بھی ایک ہے۔
۸۔ حضرت فاطمہ زہرا ؑ کا علم۔
۹۔ شہادت حضرت علی اکبر علیہ السلام۔

عشرۂ محرّم الحرام ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء
بمقام نشتر پارک

۵ / محرّم ۱۴ / مارچ

پانچویں تقریر

سورۂ نساء کی جس آیت کی تلاوت کی جا رہی ہے بہ اعتبارِ وقت یہی طے پایا کہ اُس کے آخری حصّے کو آپ کے سامنے پڑھا جائے۔ پوری آیات آپ مسلسل سُنتے رہے کہ کس کس نبی پر ہم نے وحی کو نازل کیا اور اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ یہ سلسلہ رسولوں کا اس لیے رہا کہ بندوں کی کوئی حجّت اللہ پر باقی نہ رہے کہ اس کی طرف سے ہدایت میں کمی رہی؛ اور اے حبیبؐ! ہم نے جب تجھ پر وحی نازل کی تو ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ وحی ہمارا علم ہے اور اس علم کے ساتھ ہم نے وحی کو نازل کیا اور ملائکہ بھی شہادت دیتے ہیں اور گواہی کے لیے تو خدا کافی ہے۔

پانچویں تقریر میں سلسلۂ کلام اب اس منزل تک پہنچ چکا ہے کہ جہاں ہم اپنی گذشتہ کسی تقریر سے تسلسل کی فکر نہیں رکھتے، بلکہ چند بنیادی اُمور پر گفتگو کرتے ہوئے ہم "علمِ معصوم" پر فکر کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ جان لیجیے کہ کائنات میں، موجودات میں، عالمِ تکوین میں نہ کسی نے یہ دعویٰ کیا اور نہ کسی سے یہ دعویٰ ممکن ہے کہ اس کا ربط اُس کے خالق سے ہے۔ سارے عالمِ تکوین میں اگر کسی نے یہ دعویٰ بھی کیا تو یا تو اِلقاء کا دعویٰ کیا یا الہام کا دعویٰ کیا یا یہ دعویٰ کیا کہ مجھے ایک آواز آتی ہے مگر مسلسل نگاہِ الٰہی میں رہنا اور مسلسل نگاہِ الٰہی میں تربیت پانا، مسلسل تابعِ وحیٔ ربّانی رہنا صرف ایک انسان کی تقدیر ہے اور وہ انسان آپ کے لیے اور کلمہ پڑھنے والوں کے لیے یقیناً نیا نہیں، لیکن جب اس منزل پر اُس انسان کو دیکھا جاتا ہے تو بہت سے دلوں میں شبہات پیدا ہونے لگتے ہیں کہ کیا واقعی ایسا ہوگا ؟

صورتِ حال یہ ہے کہ وہ انسان اس مرتبۂ کمال پر فائز ہے کہ جس کے نام کا آپ کلمہ پڑھ رہے ہیں اور جس مرتبۂ کمال کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اُس انسان میں خواہشِ نفسانی نہیں ہے، خواہشِ ذاتی نہیں ہے، اس کو اپنی آپ منفعت کی فکر نہیں ہے اور اگر بحیثیت انسان وہ کوئی خواہش بھی رکھتا ہے، کیونکہ لازمۂ انسانیت خواہش ہے تو چونکہ اُس کی انسانیت "انسانیتِ عظمیٰ" ہے اس لیے اس کی خواہش، خواہشِ لاہوتی ہے، اور اس لاہوتی خواہش کے معنیٰ یہ ہیں کہ اگر وہ اپنی مرضی سے کوئی فعل انجام دے تو ذاتِ واجب نے یہ طے کرلیا ہے کہ تم جو بھی عمل کرو گے ہم راضی ہیں، کسی اور بندے کو یہ مجاز نہیں اور کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کام کر کے ہماری طرف منسوب کر دے کہ خدا راضی ہے، لیکن بجز تمہارے کوئی اور نہیں کہہ سکتا، اس لیے کہ انسان کی انسانیت اُس کا ناطقہ ہے یعنی اُس کا ناطقہ انسان کی انسانیت ہے کہ انسان ناطقہ سے پہچانا جاتا ہے:
تَكَلَّمُوا تُعْرَفُوا یعنی بات کرو اور پہچانے جاؤ، جملہ زبان سے نکلے اور آدمی آدمی کو پہچان لے، تو اس قوّتِ ناطقہ پر محیط ہو کر وحی نے یہ کہا کہ:

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝" (سورۃ النجم آیت ۳-۴ ۵۳)

یعنی یہاں قوّتِ ناطقہ میں ھَوٰی نہیں ہے، ہوس نہیں ہے، وہ وحیٔ ربّانی ہے یعنی وہ بات کرے اور وہ وحی ہے، وحی کی منزل تو یہ تھی، کبھی مسجد میں آئے، کبھی جنگ میں آئے، کبھی غارِ حرا میں آئے، کبھی منزلِ احزاب میں آئے، کبھی ہجرت کے موقع پر آئے، تیئس ۲۳ سال کے طویل عرصے میں چھ ہزار دو سو باسٹھ آیتیں کُل وحی کی آئیں، مگر اس کے علاوہ جو کچھ بھی کہا اور جو بھی گفتگو کی، قرآن نے کبھی یہ کہہ کر انکار نہیں کیا یا استثناء قائم نہیں کیا کہ جب تک ہم کہتے رہیں وحی ہے اور جب تک تم کہتے رہو گے وہ تمہاری اپنی بات ہے، بلکہ قرآن نے اگر وحی کو قرآن کہا تو زبانِ نبیؐ کو "بیان" کہا، کیونکہ

بغیر بیان کے قرآن سمجھ میں نہیں آتا، اِس لیے ہاں اے نبیؐ! حق پہنچتا ہے تم کو کہ تم اسی طرح پہنچائے جاؤ مگر ہاں یہ بھی ہماری طرف سے اعلان کردو کہ جو تم بیان کر رہے ہو یعنی جو کچھ تم تفصیل دے رہے ہو وہ بھی علم ہے، معصوم کا علم ہے جیسے رحمٰن نے علم دیا، انسان کو خلق کیا اور اس کو بیان کا بھی علم دیا۔

"اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ۝" (سورۃ الرحمٰن آیت ۱ تا ۴)

بیان کا علم دیا، اب نبیؐ کا قرآن ہو نبیؐ کا بیان، دونوں علمِ الٰہی ہیں، قرآن کی قسم سوچیے اور اپنے اپنے دلوں کو جھنجھوڑ کر ایک مرتبہ چونکانے کی کوشش کیجیے کہ کس مقامِ رفیع پر خاتمؐ فائز ہے کہ جہاں نبیؐ کی حرکت، نبیؐ کا کلام، نبیؐ کا بیان، نبیؐ کا سکوت، نبیؐ کی گویائی، نبیؐ کی جنگ، نبیؐ کی صلح، ہر امرِ نبیؐ ذاتِ واجب سے منسوب ہو جائے، اور اب ایسا نبیؐ اگر زمانے کے لامتناہی سلسلے میں اپنی ہدایت کی سطح کو باقی رکھنا چاہے تو وہ کون سے افراد آئیں کہ جہاں ہر عمل اللہ کی طرف منسوب ہو جائے۔

دیکھیے! تاریخ میں سب سے بڑی یہی حیرانی رہی کہ بعدِ پیغمبرؐ اِس سطح کو کیسے برقرار رکھا جائے؟ چنانچہ ہر ایک نے کوشش کی اور اپنی اِمکانی کوشش سے اسلام کو بھی بچانے کی کوشش کی، زُہد و تقویٰ کو بھی دکھلانے کی کوشش کی، عبادتوں کی بھی کوشش کی اور کچھ کم رہ گئی تھی بندگی تو عبادتوں میں اضافہ بھی کر دیا اور بتلایا کہ جتنی کوشش ہم سے ہو سکتی ہے ہم برابر کریں گے، مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانی سطح کچھ اور ہے، نبوّت کی منزل کچھ اور ہے، اُس منزل سے اس سطح کو قائم کرنا نہ میرا کام ہے نہ آپ کا کام ہے، نہ شاہوں کا کام ہے، کسی کا کام نہیں ہے، اب جو اللہ چاہے اور جس طرح چاہے۔

سعد ابنِ ابی وقاص صحابہ میں سے ہیں اور مسلسل روایتوں میں اس بزرگ کا نام لیا جاتا ہے۔ بڑی محترم ہستی ہے، اِن کے ہی اولاد میں وہ بیٹا ہے عمرِ سعد جو لشکر لے کے کربلا آیا تھا۔ سعد ابنِ ابی وقاص مدینے میں تشریف فرما تھے کہ معاویہ ابنِ ابی سفیان شام کے حکمراں نے ان کو طلب کیا اور کہا کہ: اے سعد ابنِ ابی وقاص! میں سُنتا ہوں کہ تم علیؑ کو بُرا نہیں کہتے ہو۔ یہ روایت "صحیح مسلم" جو کراچی میں چھپی ہے، اُس کی چھٹی جلد میں موجود ہے۔ سعد ابنِ ابی وقاص نے جواب دیا — معاویہ! میں نے اللہ کے رسولؐ کی زبان سے علیؑ کے لیے تین ایسے جملے سُنے ہیں کہ اگر ساری دنیا کی حکومت کوئی مجھ سے لے کر وہ تین صفات مجھے دیدے تو میں اُس کو اپنے لیے دنیا کا سب سے بڑا سرمایہ سمجھوں گا۔"

ایک صحابی روایت کر رہا ہے اور ایک صحابی سن رہا ہے، سلطنت کی سطح پر گفتگو ہو رہی ہے۔ معاویہ دورے پر ہے، سعد نے کہا کہ پہلی بات کو خود میں نے اپنے کان سے سُنا کہ: "ایک مرتبہ جنگ میں حضرت رسولِ خداؐ اپنے ساتھ نہیں لے گئے تو علیؑ افسردہ ہو گئے اور کہا کہ یہ آپ مدینے کی نگرانی میرے حوالے کیوں کر رہے ہیں؟" رسولِ خداؐ نے کہا کہ:

"اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نُبُوَّةَ بَعْدِیْ (صحیح مسلم)

" تمھاری منزلت میرے ساتھ وہ ہے جو ہارونؑ کو موسٰیؑ کے ساتھ تھی مگر یہ کہ بلاشبہ میرے بعد نبوّت نہیں ہے۔"

- دوسرے میں نے اپنے کان سے سنا کہ رسولؐ نے فرمایا:

"لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَةَ رَجُلًا (صحیح مسلم) یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

وَ یُحِبُّہُ اللّٰہَ وَ رَسُوْلُہٗ۔" (صحیح مسلم)

"کل میں عَلَم مرد کو دوں گا، خدا اور اس کا رسولؐ اُس کو دوست رکھتے ہیں، اور وہ خدا کو اور اُس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔"

یہ دو باتیں تو آپ سن چکے اور اب روایت کا تیسرا حصّہ یقیناً میرے لیے دلچسپ ہے، سعدؓ نے کہا: اے معاویہ! خدا کی قسم جب نصاریٰ نجران آئے اور وہ آیت نازل ہوئی جس میں علم کا تذکرہ تھا کہ:

"فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْہِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَکُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَکُمْ قف ثُمَّ نَبْتَہِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ ۵ (سورۂ آل عمران آیت ۶۱)

تو میں نے ذاتِ رسولؐ کو دیکھا کہ آپؐ نے علیؑ و فاطمہؑ وحسنؑ وحسینؑ کو اپنے نزدیک جمع کرکے آسمان کی طرف سر کو بلند کیا اور کہا کہ:

" اَللّٰھُمَّ ھٰٓؤُلَآءِ اَھْلُ بَیْتِیْ " (صحیح مسلم)

" اے اللہ! یہ ہیں میرے گھر والے "

میں چاہتا تھا کہ سطحِ ذہنیٔ حضرتِ سعد ابنِ ابی وقاصؓ ہی تک پہنچنے کی کوشش کرو اور یہ تین باتیں یاد رہیں تو اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کے حکم سے کس سطح کو باقی رکھا گیا تھا اور اس طرح سے اس علم کو آگے بڑھایا گیا۔

ایک بات سمجھنے والی یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں عموماً علم کی بحث سے کتاب کو شروع کیا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ "اصولِ کافی" کو کتاب العقل سے شروع کیا اور دوسرا "بابُ العلم" ہے۔ ہماری ایک اور کتاب "بحار الانوار" وہ بھی اسی طرح سے شروع ہوئی۔ یعنی "کتاب العقل" اور بعد میں "کتاب العلم"

مگر "صحیح بخاری" کو "کتاب الوحی" سے شروع کیا اور بعد میں "کتاب العلم" ہے "صحیح مسلم" میں البتہ آخر میں "کتاب العلم" کے باب کو قائم کیا، شروع کیا اس منزل سے کہ کوئی نبیؐ پر جھوٹ نہ بولے اور اس کے بعد آخر میں "کتاب العلم" کو قائم کیا مجھے بے انتہا دلچسپی ہے اور قلبی لگاؤ ہے اور میں اس عظمت کو دیکھتا ہوں جو عظمت محمدؐ ابنِ اسماعیل بخاری نے پائی ہے اور یہ کتاب محترم ہے اور اس کتاب کا احترام کرتے ہوئے جب میں نے اُس کے باب "کتاب العلم" کو دیکھا تو اَب تک میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ محمدؐ ابنِ اسماعیل بخاری نے "کتاب العلم" میں "حدیثِ قرطاس" کو کیوں لکھا کہ "لاؤ کاغذ لاؤ میں کچھ لکھ دوں گا" یہ حدیث "کتاب العلم" میں ہے یعنی نبیؐ بولے تو علم ہے اور لکھے تو بھی علم ہے"۔ یہ حدیث "کتاب العلم" میں ہے اور اس کا عنوان بھی یہی ہے کہ پیغمبرؐ نے کاغذ طلب کیا اور کہا کہ لاؤ میں کچھ لکھ دوں اب یہ اور بات ہے کہ زحمتوں سے ختمی مرتبتؐ کو بچایا گیا، یہ اور بات ہے کہ یہ مناسب جانا گیا کہ اب آپ زحمت نہ کریں۔ آپ کے دل کی کیفیت سے ہم غدیر میں ہی آگاہ ہو گئے تھے، سب کو معلوم ہے، چھپی ہوئی بات کیا تھی، وہاں اتنی شدّت کے ساتھ جب یہ کہا گیا ہو کہ اگر میں انسانیت میں ایک ایسی منزل رکھتا ہوں کہ جس منزل پر تم، تمھارے آبائے اوّلین، تمھارے مشائخِ عظّام، تمھارے بزرگ، جس جس کو تم نسلِ آدمؑ تک اور آدمؑ کے سلسلے سے خاتمؐ تک پہنچانا چاہتے ہو وہ کوئی بھی میری منزلت تک نہیں پہنچ سکتا، میرے مقام کو دیکھو کہ میرا مقام کیا ہے۔ ارے خدا تو قرآن میں کہتا ہے کہ:

" اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ (سورۃ الاحزاب آیت ۶)

"نبیؐ صاحبانِ ایمان کے نفوس سے زیادہ اَولیٰ ہے۔" یعنی آپ کو اپنے نفس پر اختیار نہیں ہے جتنا نبیؐ کو آپ کے نفس پر اختیار ہے۔ اس کو سمجھنے کی

کوشش کیجیئے کہ انسان کو مقام کیا ملا ہے۔ کیا کسی بادشاہ کو یہ مقام مل گیا؟ کسی سلطان کو یہ مقام مِلا؟ کسی سلطنتِ عظمیٰ کو یہ مقام ملا کہ آپ کا مال آپ کا نہیں ہے، اگر نبیؐ کہہ دے، آپ کی جاگیر آپ کی نہیں ہے، اگر نبیؐ کہہ دے آپ کی جاگیر آپ کی نہیں ہے، اگر نبیؐ کہہ دے کہ اولاد آپ کی نہیں ہے، اگر نبیؐ اُبوّت سے انکار کردے، باپ، باپ نہیں ہے، اگر نبیؐ اُبوّت سے انکار کردے۔ بھائی، بھائی نہیں ہے اگر نبیؐ اُخوّت سے انکار کردے۔ بیوی، بیوی نہیں ہے اگر نبیؐ زوّجیت سے انکار کردے، یعنی نفس پر اتنا تصرّف ایک انسان کو دیا اور اب دنیا اس درجے تک کیا پہنچے۔ دل ایک وجد کے عالم میں ان مقاماتِ معرفت کی طرف جانا چاہتا ہے جہاں سرکارِ دو عالمؐ کی ذاتِ گرامی اس طرح سے سمجھ میں آئی ہے کہ فقط اُس دن نہیں ہے، آج بھی وہی تصرّف ہے۔ یعنی بُعلوّت ختم کردے، اُبوّت ختم کردے، زوّجیت ختم کردے، اُخوّت ختم کردے، اُموّت یعنی ماں ہونا ختم کردے، یعنی سارے رشتے کاٹ دے کہ تم اس کے اہل نہیں ہو؛ کیا کسی سلطنت کی مجال ہے، مگر صرف نبیؐ کہہ دے کہ یہ مال تمھارا نہیں ہے، اب نہیں ہے، تو ایسے تصرّف کے بعد فقط یہی نہیں کہ قرآن کہے، بلکہ پوچھ بھی لیا کہ: "اَلَسْتُ اَوْلٰی بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ" کیا میں تم لوگوں پر خود تمھارے نفسوں سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا؟ مجمع نے یک زبان ہو کر کہا، بیشک آپ کو ہم پر ہم سے زیادہ اختیار ہے۔ سب نے کہا ہاں قَالُوْا بَلٰی، اور اب اس کے بعد دنیا جان رہی تھی اور سارا مجمع جان رہا تھا اور یہی سعد ابنِ ابی وقاص نے روایت کی ہے اور اس کے بعد کی ایک دوسری حدیث ہے "بابِ فضائلِ علیؑ" میں کہ سعد ابنِ ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ: "ایک دن مجھے یاد ہے کہ میں نے رسولؐ کو کہتے سُنا کہ پوچھتے ہیں کہ میں تمھارے نفوس سے اولیٰ ہوں کہ نہیں؟"

سارے لوگوں کو یاد تھا اور کچھ دن زیادہ نہیں گذرے تھے یعنی ذی الحجہ اور اس کے بعد صرف ایک مہینہ درمیان کا یعنی محرّم کا مہینہ اور اب کہتے ہیں کہ لاؤ لکھ دوں، ہم سمجھتے ہیں کہ کس وجہ سے زحمتوں سے بچا یا گیا۔ لیکن قرآن میں خدا فرما رہا ہے کہ :

"وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (سورۃ الانعام آیت ۷)

(اے رسولؐ !) اور اگر ہم تجھ پر قرطاس (کاغذ) پر تحریر کردہ کتاب (اس قرآن کے بجائے) نازل کر دیتے جسے وہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تو پھر بھی وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا (کافر) یہی کہتے کہ بیشک یہ تو کھلّم کھلاّ جادو ہے۔"

یعنی یہ رسولؐ کی حدیث کے لیے نہیں بلکہ قرآن کے لیے ہے لوگوں نے "حدیثِ قرطاس" کے متعلق یہ اعتراض پیش کیا تھا کہ کاغذ اُس وقت بنا ہی کب تھا جو لکھتے ؛ تو قرآن سے پوچھیے کہ یہ کاغذ قرآن میں کب سے تھا۔

تو اے نبیؐ ! جب ہمارے لکھے ہوئے کو یہ سحرِ مبین کہتے ہیں تو اچھا ہے کہ تم کو لکھنا ہی نہ آئے ، اچھا ہے کہ تم اُمّی ہی رہو، تاکہ دنیا کہے کہ لکھنا پڑھنا ہی نہیں آتا ، لکھنا شروع کرتے تو کیا حشر ہوتا۔ آپ نے دیکھا کہ علم اگرچہ بالقلم ہے مگر پہلی وحی کے باوجود کہ لکھنا پڑے ، یعنی :

"اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝" (سورۃ العلق ۹۶ آیت ۱ تا ۵)

اگر علم حاصل کرنا ہے تو لکھنا پڑے گا ، اور جب وحی کا سلسلہ ختم ہو رہا تھا

تو لکھنے کے لیے آیا، چاہا کہ رشتۂ علم ٹوٹے مگر قدرتِ الٰہی نے یہ طے کر لیا تھا کہ چونکہ سلسلۂ عصمت میں "علم لدُنی" جائے گا اس لیے علم کو بلند کرو، فدک کو لے لینے دو، مگر "سَلُونی" کو کیا کرو گے۔

عزیزانِ گرامی! یہ وہ منزل ہے کہ جہاں بڑی تفصیل کے ساتھ اور بڑی صراحت کے ساتھ دُنیا سمجھ گئی اور دُنیا کو سمجھنا چاہیے کہ ہم ماضی کے جس واقعے سے متاثر ہیں وہ یہی واقعہ ہے کہ علمِ الٰہی مسلسل کیسے رہا، سلطنتیں آئیں اور گئیں حکومتیں بنیں اور مٹیں، ظلم ہوا اور صبر کیا گیا، مگر سلسلۂ علم باقی ہے کہ جس کو "علمِ معصوم" کہتے ہیں، سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہوا:

"بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ○ (سورۂ ۲۹ عنکبوت آیت ۴۹)

یہ نشانیاں کاغذ پہ نہیں بلکہ یہ آیات صاحبانِ علم کے سینوں میں ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر ظالم"۔

دیکھیے ظلم یہ نہیں کہ تیر مارے، ظلم یہ نہیں کہ شمشیر چلائے، ظلم یہ نہیں کہ نوکِ سناں سے کسی کا جگر چھیدے، سب سے بڑا ظلم انکارِ علم ہے اور ظلم صریح یہ ہے کہ اگر کسی کو کسی کرسی سے ہٹایا جائے تو بعد میں بیٹھنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ دیکھیے یہ جگہ پُر ہوئی کہ نہیں، اِلّا مقامِ علم کے کہ اگر کسی کو کوئی مقامِ علم سے ہٹانا چاہے تو اوّل تو ہٹا نہیں سکتا اور اگر جبر و استبداد اور بادشاہوں کی چشم و ابرو کی گردشوں پر چلنے والے قلم اگر تاریخ کے دھارے کو مختلف صورتوں سے بدلتے جائیں تو تب بھی جو مقامِ علم کا ہے وہ رہے گا چاہے کوئی کھڑکی بنے، کوئی چھت بنے یا کوئی زمین بنے، لیکن دروازہ اپنی جگہ پر ہے، تو یہ مقامِ علمِ معصوم ہے۔ وہی دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں ہوں شہرِ علم، اوّلین و آخرین میں کسی اولوالعزم

نبیؑ نے یہ نہیں کہا کہ میں شہر علم ہوں، حالانکہ ہر نبیؑ کے لیے علم ہے، آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک۔ آدمؑ کے علم کے لیے پہلی آیت علم کے متعلق ہے:-

"وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا" (سورۃ البقرۃ آیت ۳۱)

"اور ہم نے آدمؑ کو تمام اسماء کا علم تعلیم کیا۔"

اور عیسیٰؑ تک علم کا وہی بار بار تذکرہ کیا، یہاں تک کہ عیسیٰؑ کیلئے کہا:

"یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَعَلٰی وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۚ...." (سورہ مائدہ آیت ۱۱۰)

"اے مریمؑ کے بیٹے عیسٰیؑ یاد کرو ہماری نعمتوں کو جو ہم نے تمہاری طرف مبذول کردی تھیں جب کہ ہم نے تمہاری تائید کی روح القدس سے، جب تک تم گہوارے میں باتیں کیا کرتے تھے اور درمیانی عمر میں بھی، اور جب ہم نے تم کو علم دیا کتاب کا، حکمت کا، تورات کا اور انجیل کا۔"

نبی بغیر علم نہیں، یعنی آدمؑ سے لیکر عیسیٰؑ تک علم کا تذکرہ کیا گیا اب نبوتیں جو کہ فروعی تھیں وہ ختم ہوئیں اور اب وہ آیا کہ جس پر نبوت کو ناز ہے کہ جس پر خاتمیت کو ناز ہے وہ آیا کہ جو سلسلۂ علم کے آخر میں آیا، سارے انبیاء کے لیے کہا کہ: "وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰی عِلْمٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ"

"اور ہم نے ان کو چنا جان بوجھ کر تمام عالمین پر" (سورۃ دخان آیت ۳۲)

یعنی ان کو جو اختیار کیا تو علم کی وجہ سے اختیار کیا۔ ہم نے موسیٰ کو علم دیا، ہم نے داؤد کو علم دیا۔ "وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ..." اور ہم نے (داؤدؑ کو) زرہ بنانے کا علم دیا۔" (سورہ انبیاء آیت ۸۰)

ہر نبی کو علم دیا گیا اور جب خاتمے پر انسانیتِ عُظمیٰ کا وہ علمبردار آیا تو اُس کو حق ملا کہ جو خواہشِ نفس سے بات نہ کرے۔ آدمؑ نے علمِ اسماء پڑھنے کے باوجود یہ نہیں کہا کہ " اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ "

نوحؑ کو علوم دیے اور ایسے عُلوم دیے کہ یہاں تک کہا:

" وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا " (سورۂ ۱۱ ہود آیت ۳۷)

" اور کشتی بناؤ ہماری نگاہوں کے سامنے "۔ یعنی کشتی بنے گی تو میری نگاہوں کے سامنے بنے گی۔ ہم دیکھیں گے، ہم نگرانی کریں گے۔ اتنی نگرانی کی نوحؑ کی مگر اُنھوں نے بھی یہ نہیں کہا: " اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ "

ابراہیمؑ کو علم دیا:۔ (سورۃ ۶ الانعام آیت ۸۳) میں ہے:

" وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۸۳

" اور ہم نے ابراہیمؑ کو حجّتیں عطا کی تھیں اُس کی قوم کے خلاف۔ ہم جس کے درجے کو چاہیں بڑھا دیتے ہیں۔ بیشک تیرا پروردگار تو حکمت والا جاننے والا ہے۔"

مگر ابراہیمؑ جیسے خلیل نے یہ نہیں کہا کہ: " اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ "

موسٰیؑ کو علم دیا، مگر موسٰیؑ کی مجال نہ تھی جو یہ کہتے " اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ "

عیسٰیؑ کو توراۃ کا، انجیل کا کتاب کا علم دیا، مگر عیسٰیؑ نہ کہہ سکے کہ: " اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ "۔ یہ کیوں نہ کہہ سکے، یہ انبیاء کیوں نہ کہہ سکے؟ اِس لیے نہیں کہہ سکے کہ کوئی ابھی تک دروازہ نہیں تھا۔

تو آپ نے دیکھا کہ جب تک سلسلہ قائم نہ ہو یہ کیسے کہہ دیں کہ میں شہرِ علم ہوں، کوئی شہر تک جانے کا راستہ بھی تو بتائے۔ اِس لیے

سارے انبیاءؑ کی زبان اِس منزل پر بند تھی، کسی نے نہیں کہا، اور جس نے کہا تو اُس نے اِس شان سے کہا کہ یہ شہر ہے اور یہ دروازہ ہے اور اگر اِس حدیث میں کوئی وسعتیں پیدا کرے تو شوق سے پیدا کرے مگر یہاں صرف کہا نہیں گیا بلکہ جس کو اہل پایا اُس کو دروازہ بنایا۔ نہیں دروازہ اُس کو بنایا کہ دروازے پہ کوئی پہنچے تو دنیا اعلان کر دے کہ کس صحیح منزل پہ پہنچا ہے، جو کچھ لینا ہے وہ یہیں سے لے گا۔ مَلَک اگر شہر پہ ایک مرتبہ آئیں گے تو دروازے پہ ۲ دو مرتبہ آئیں گے۔

"تو اس ملکوتیت کے ساتھ باب کہا اور اب" باب "کے دعوے تو بہت ہو گئے اور ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ کہیں کسی منزل تک پہنچے کے لیے باب چاہیے، مگر اندازہ نہیں کیا کہ یہ باب کس منزل پہ کہا ہے، اِس منزل تک آئے جب کہ شہر سے دروازہ جُدا نہیں ہے، یعنی:

" لَحْمُكَ لَحْمِيْ يَا عَلِيُّ ؛ دَمُكَ دَمِيْ يَا عَلِيُّ نَفْسُكَ نَفْسِيْ يَا عَلِيُّ "

اتنا اتحاد پیدا کیا اور اِس اتحاد کے بعد جب مقام علم سے یہ سلسلہ آگے بڑھا تو پھر نشان ہائے علم باقی رہے۔ اب وہ ذخیرہ جو رسولؐ کا بیان ہے کہ جو مفسرِ قرآن ہے، بابِ مدینۂ علم سے چلا اور اِس سلسلے کی طرف ہم متوسّل ہوئے۔ اب اگر کوئی اور اِس سلسلے کی طرف آگے بڑھنا چاہے اور وہ یہ کہے کہ ہم نے کشف سے لے لیا، رسولؐ کی مرادِ دلی کو کشف سے پا لیا، مراقبے سے پا لیا، آنکھیں بند کیں اور دیکھ لیا تو علم سے کشف تو ممکن ہے مگر کشف سے علم کا پتہ نہیں چلتا۔ کشف کے معنی ہیں کھولنا، علم آئے تو شرحِ صدر ہو، اور اسی علم کو لے کر معصوم چلا، سلسلۂ عصمت میں وہ علم آیا اور

سلسلۂ عصمت میں جب وہ علم آیا تو اب ایک ہی منزل، ادب کے حدود پیشِ نظر رہیں۔ نبوّت عہدہ ہے، امامت عہدہ ہے، مگر ایک اور منزل ہے کہ جہاں عبدیّت کمال پر جاکر خود پہنچتی ہے یعنی ولایت کی منزل۔ یعنی جب عبدیّت ترقی کرتی جاتی ہے تو ولایت کی منزل پر پہنچتی ہے، اور کبھی کبھی وہ منزل نبوّت اور امامت سے اتنی نزدیک ہوجاتی ہے کہ سلسلۂ علمِ معصوم میں فاطمہؑ زہرا بھی داخل ہوجاتی ہیں ہماری جانیں قربان فاطمہؑ زہرا پر، نام آیا اور اندازہ ہوا کہ کتنی باتیں تھیں، کبھی آپ بھی تنہائی میں سوچیں کہ فاطمہؑ زہرا سے کتنی حدیثیں مروی ہیں اور بھی تو کوشش احادیث کو جمع کرنے کی، کی گئیں مگر شاید اسی سلسلۂ تقاریر میں یہ تیسری مرتبہ کہہ رہا ہوں کہ اقبالؔ کے شاید بارہ[۱۲] دفتر اب تک شائع ہوچکے ہیں لیکن اقبالؔ نے سوا فاطمہؑ زہرا کے کسی اور بی بی کا نام نہیں لیا۔ وہ فاطمہؑ زہرا کہ جس کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ " بِضعۃُ الرّسولؐ "، ہو علمِ رسولؐ کے لیے ایک منزلِ ظہور بنے، علمِ رسولؐ کو ظاہر کیا اور جانتی ہیں کہ بابا کا علم حق ہے۔ بابا نے کیا کہا اور کیا نہیں کہا اس کے لیے معیار فاطمہؑ زہرا ہیں کوئی غیر نہیں، یعنی اہلِ بیتؑ کے لیے غیر اہلِ بیتؑ معیار نہیں ہیں بلکہ غیر اہلِ بیتؑ کے لیے معیار ہیں، آپ اہلِ بیتؑ کو صحابیت کے ساتھ میں نہ دیکھیے بلکہ جتنے بزرگانِ دین گذرے ہیں اُن کے کلام کو اہلِ بیتؑ کے میزان میں دیکھیے کہ کیا کہتے ہیں اہلِ بیتؑ، اب اگر بیٹی یہ کہہ دے کہ میرے باپ نے نہیں کہا تو اب قیامت تک علماء کہتے جائیں کہ رسولؐ نے کہا تھا، فاطمہؑ زہرا کہتی ہیں جھوٹے ہیں، رسولؐ نے نہیں کہا، تو یہ علم کی منزل ہے۔ فاطمہؑ زہرا نے بتایا کہ میرا باپ قرآن کے خلاف کیسے کہہ سکتا تھا جب کہ قرآن کہہ رہا ہے کہ: وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ (سورۂ[۲۷] نمل آیت ۱۶)

" اور سلیمان داؤد کے وارث ہیں۔" میرا باپ کیسے کہہ سکتا ہے، جب قرآن

کہہ رہا ہے: "فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ۝ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ" (سورۃ المریم آیت ۵و۶)

(پروردگار) "پس مجھے ایک ولی (بیٹا) اپنی جناب سے عطا فرما جو میرا اور آلِ یعقوبؑ کا وارث ہو" جب انبیاء کے وارث ہوئے ہیں تو میرے باپ کا بھی کوئی وارث ہوگا اور ہے کوئی تم میں جو محمدؐ کو اپنا باپ کہے۔

آج محرم کی پانچویں تاریخ ہے ــــــ

زہراؑ کے لیے زہراء کا علم وہ منزلت عطا کرتا ہے کہ پوچھتی ہیں بابا! جب یہ میرا بچہ قتل ہوگا تو عالمِ غربت میں جب میں بھی نہ ہوں گی، جب اس کا باپ نہ رہے گا، جب اس کا بھائی نہ ہوگا، اُس وقت بابا اس کا کوئی رونے والا بھی ہوگا، کوئی اس کا ماتم کرنے والا بھی ہوگا؟ رسول اللہؐ نے فرمایا: ہاں، فاطمہؑ! خدا ایک قوم کو پیدا کرے گا جو تیرے بچے کا ماتم کریگی بتاؤ بیٹی تم اُس قوم کے لیے کیا کرو گی۔ یہ تصرف ہے کہ یہ نہیں کہا کہ میں دعاء کروں گی، بلکہ یہ کہا کہ بابا میں شفاعت کروں گی۔ . . . بابا! میں بخشوا لوں گی اپنے بچے کے رونے والوں کو۔ زہراءؑ رو رہی ہیں

محرم کی پانچویں تاریخ بھی ختم ہوئی، چھٹی شب آرہی ہے۔

آئیے بی بی! یہ ماتم دار جمع ہیں ـــ آج چونکہ شہیدوں کی گفتگو شروع ہوتی ہے۔ . . . اِس لیے بی بی! آج ہم سے آکے پُرسہ لیجیے ــــــ

حسینؑ کے اٹھارہ برس کے لال کا پُرسہ لیجیے۔ کیا گذری ہوگی زہراؑ پر جب یہ کہتی ہونگی آہستہ آہستہ کہ حسینؑ اس دن کے لیے جکی پیس پیس کے پالا تھا کہ اٹھارہ برس کے لال کی میت اٹھاؤ۔ . . .

سلام

(علامہ رشید ترابی)

ہے یہی وقت ان کا دامن تھام لے
گرنے والے اب علیؑ کا نام لے

مرحبوں کے سر پہ ہے تیغِ علیؑ
اپنا بدلہ صبح لے یا شام لے

ہے مئے حُبِّ علیؑ کچھ تند و تیز
حُر بنے جو مستیوں سے کام لے

وہ علیؑ کی نیند ہے ہجرت کی رات
ہر نفس پر رب سے جو انعام لے

ہے ابوذرؓ سے ولا تو اپنے سر
حق پرستی کا بھی اک الزام لے

کب ہے مشکل حق و باطل کی تمیز
کوئی کروٹ تو دِلِ ناکام لے

بے مودّت آدمی معذور ہے
جس طرح جو معنئ اسلام لے

آخر اس چوکھٹ پہ آنا ہے تجھے
جانے والے یہ بھی اک پیغام لے

دفن اصغرؑ ہو گئے شہؑ نے کہا
میرے بچّے اب یہاں آرام لے

عصرِ عاشور آئی آوازِ رسولؐ
فاطمہؑ بازوئے زینبؑ تھام لے

قید خانے میں کوئی بچّی ہے دفن
اک امانت اور ملکِ شام لے

اے ترابی مفت ہے آبِ حیات
موت کے ہاتھوں سے کوئی جام لے

مجلسِ ششم

۱۔ مذہب اور دین علم ہے۔

۲۔ ذاتِ محمدؐ مرکزِ علم ہے۔

۳۔ جعفری فقہ کے بغیر کسی کی فقہ سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

۴۔ آلِ محمدؐ محافظینِ علومِ دین ہیں۔

۵۔ علم و یقین۔

۶۔ مباہلہ مقامِ علم ہے۔

۷۔ دربارِ مامون الرّشید میں حضرت امام علیِّ الرّضا علیہ السّلام کا ایک علمی استدلال۔

۸۔ کربلا کی لڑائی فقہ اور نماز پر نہیں تھی۔

۹۔ شہادت حضرت علی اصغر علیہ السّلام۔

عشرۂ محرّم الحرام ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

بمقام نشتر پارک

۶ محرّم ——— ۱۵ مارچ

مجلسِ ششم

"علمِ معصوم" کے عنوان پر آپ چھٹی تقریر سماعت فرما رہے ہیں۔
اگر آغازِ تقریر میں میرے مولا کا ایک جملہ آپ کے ذہنوں میں رہے تو یقیناً
آپ کی فکری ترقیوں کے لیے یہ جملہ ہمیشہ کے لیے ضامن رہے گا۔

مولا فرماتے ہیں:

"كُلُّ وِعَاءٍ يَضِيقُ بِمَا جُعِلَ فِيهِ إِلَّا وِعَاءُ الْعِلْمِ
فَإِنَّهُ يَتَّسِعُ بِهِ" (نہج البلاغہ موضوعی ص۸۰)

" ہر ظرف میں جب کوئی چیز ڈال دی جاتی ہے تو وہ ظرف بھر جاتا ہے
اور وہ اپنی کوتاہی کا اعلان کرتا ہے۔ جب اس میں کوئی چیز بھر دی
جاتی ہے، مگر یہ کہ علم کا ظرف۔ (سوائے علم کے ظرف کے)
جیسے جیسے علم آتا جاتا ہے یہ ظرف اور پھیلتا جاتا ہے۔ تو آپ نے
دیکھا کہ ہم اپنی کوتاہیوں میں، کمزوریوں میں، نادانیوں میں اور ناداریوں میں
ہیں، آپ اور ہم سب ہمسفر ہیں، یہاں کسی کو مقام ناز نہیں ہے۔ جہالتوں
کی کچھ حدیں معین ہیں کہ کون کتنا جاہل ہے؟ علم کی حدوں پر تو گفتگو ہی نہیں
ہے۔ تو ایسی صورت میں ہماری رہبری وہ علمِ معصوم فرمائے کہ جس سے
ہمارا ظرفِ قلب وفکر وشعور مسلسل وسعت پاتا جائے تو یقیناً نہ صرف آپکی
غفلت دور ہوگی بلکہ جہاں انسان فکری راہوں میں آتا ہے تو وہ صحیح ترین
بنیادوں پر اپنے افکار کی عمارت قائم کر سکتا ہے۔ میں بنیادِ فکرِ ارسطو نہیں
چاہتا، میں بنیادِ فکرِ سقراط نہیں چاہتا، میں بنیادِ فکرِ افلاطون پر گفتگو

نہیں کرتا، میں حکمتِ مشرق و مغرب کے جاننے والوں کے افکار کو بنیاد نہیں بنانا چاہتا، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ ملّتِ اسلامیہ کے لیے فکرِ معصوم بنیاد بنے اور اس بنیاد پر اگر کوئی اپنے ظرف کو وسعت دینا چاہے تو پھر اُس ظرف کو وہ دوسری قوموں کے سامنے گداگری کا کشکول نہ بنائے، بلکہ وہ ظرف اس قابل ہوگا کہ آپ نکال نکال کے دوسری قوموں کو دیتے جائیں۔ ہمارے لیے وقت کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ کس کی تقلید کریں ؟ کہاں سے کیا مانگیں ؟ اور کس کے نظامِ حکمت پر چلیں ؟ کس کے افکار کو بنیاد بنا کر اپنی راہ معیّن کریں ؟ مگر اقبالؒ کبھی کہہ چکے تھے : ؎

یورپ کی غلامی پہ رضامند ہوا تو
مجھ کو تو گلا تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے

تو اس غلامی پر رضامندی کی وجہ فقط یہی ہے کہ اپنی ذات سے بےخبری ہے، اپنے مقام سے بےخبری ہے، اپنے ارادوں سے بےخبری ہے۔ کلمہ صرف اسماً پڑھ رہے ہیں مگر یہ اندازہ نہیں ہے کہ یہ کس کا کلمہ ہے۔ اگر ذاتِ خاتمؐ پر اعتمادِ کامل ہو اور اگر اُن کے علم سے آپ اپنے ظروفِ قلب کو مملو کرنا چاہیں تو اُس خزانے میں اتنا علم موجود ہے کہ اگر صدیاں بھی گذر جائیں تو یقیناً ہم یہ نہ کہہ سکیں گے کہ اب ہم کو باہر سے لینے کی ضرورت ہے۔ ہماری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اگر ہم نے اپنے بچّے کو بیمار پایا، اور اگر ہمارے معالج نے یہ کہا کہ اس کو ٹائیفائڈ (TYPHOID) ہے تو ہم کبھی اس بات پہ اَڑ نہیں گئے کہ نہیں ملیریا (MALARIA) ہے۔ ہم نے اگر اپنا مقدمہ کسی وکیل کے حوالے کیا اور اگر اُس نے یہ طے کیا کہ یہ مقدّمہ اِس قانون کے تحت چلایا جائیگا تو ہم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ آپ اس مقدّمے کو اُس قانون کے تحت چلائیں اِس لیے

کہ ہم اپنے آپ کو مختصصینِ علوم اور علوم سے تخصیص رکھنے والوں کے سامنے
نادان سمجھتے رہے یعنی ہمارا ڈاکٹر یقیناً اس قابل ہے کہ ہم اُس کے کام میں
دخل نہ دیں، ہمارا حکیم اس قابل ہے کہ ہم دخل نہ دیں، ہمارا وکیل اس قابل ہے
کہ ہم دخل نہ دیں۔ نہیں بلکہ وہ علوم کہ جس کی طرف دنیا جا رہی ہے۔ یعنی کوئی
زولوجسٹ (ZOOLOGIST) یہاں آجائے، بائیولوجسٹ (BIOLOGIST)
یہاں آجائے، کوئی جیولوجسٹ (GEOLOGIST) یہاں آجائے یا کوئی
ماہرِ علمِ طبقات الارض یہاں آجائے تو کیا آپ زبان بھی کھول سکتے ہیں اُس
کے سامنے؟ کیوں نہیں بول سکتے؟ اس لیے کہ ہم دخل نہیں دے سکتے۔
ہماری بڑی مجبوری یہ ہے کہ ہر چیز میں ہم کوئی دخل نہیں دے سکتے سوائے
مذہب کے، جہاں مذہب کی گفتگو کی ______ "

______ کیا آپ وید کو اور گیتا کو اور اپنی
ہندومت کی کتابوں کو روک رکھیں گے، یہ کہہ کر کہ برہمن ہی اس کو
پڑھ سکتا ہے؟ یہ باتیں اور ہیں۔ وہ قصّے لڑائیاں اور وہ کہانیاں اور
ہیں، مگر جہاں علم ہی علم ہے، اور جہاں قرآن سورۃ الانعام میں آواز دے
" قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ " (سورۃ انعام آیت ۱۴۸)

"کہدے، اگر تمھارے پاس علم ہے" تو لاؤ۔

" فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۔ " (سورۃ الانعام آیت ۱۴۸)

پس تم اُس کو ہمارے سامنے لاؤ (اُس کو ظاہر کرو) تم فقط وہم و
گمان وظن و تخمین کی پیروی کر رہے ہو اور تم صرف اٹکل پچو باتیں
بنا رہے ہو۔" جب قرآن یہ کہے کہ علم ہے تو سامنے آؤ۔ یعنی جب قرآن

کسی کے علم کو تسلیم نہ کرے سوائے خود اُس کی اپنی ذات کے کہ سورۂ نمل میں ارشاد ہوا:

"وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ○ (سورۃ النمل آیت ۷۵)

" اور کوئی شے آسمان اور زمین میں غائب نہیں ہے مگر وہ (سب کی سب اِس) کتابِ مبین میں موجود ہے ۔"

یعنی جو کچھ غائب ہے وہ یہاں ہے۔ مذہب اور دین بھی ایک علم ہے، قرآن بھی اور قرآن سے استنباط کرنا بھی ایک علم ہے۔ قرآن کو لانے والے کے کلام سے قرآن کو سمجھنا بھی ایک علم ہے۔ بیان و قرآن کو ساتھ لے جانا بھی ایک علم ہے، اِس لیے کہ ماہیّتِ اشیاء کو زمانے کے لامتناہی سلسلے تک دیکھ کر یہ کہا کہ یہ نجس ہے تو پھر نجس ہے، یہ پاک ہے تو پھر پاک ہے، یہ حلال ہے تو حلال ہے، یہ حرام ہے تو حرام ہے تو یہ جو بھی کچھ کہا علم سے کہا۔ یہ ضد نہیں ہے کہ میں منوا رہا ہوں بلکہ عقل کو چیلنج (CHALLENGE) دیا کہ جس کو نجس قرار دے رہا ہوں اس کی طہارت کا کوئی پہلو تو بتا دو اور جس کو طاہر کہہ رہا ہوں اس میں نجاست کی کوئی شکل نکال دو۔ تو دین ومذہب و قرآن ہے۔ اس لیے ایک مرتبہ پھر ہم یہ درخواست کرنا چاہتے ہیں کہ اگر آج ملّت اپنی خوش نصیبی پر ناز کرتے ہوئے متحد ہو رہی ہے کہ نہیں ہم قرآن ہی کی بنیاد پر اپنے لیے کوئی نظامِ اقتصاد مرتّب کریں گے، تو پہلے ملّت کو سمجھنا ہے اور ملّت کے مفکّرین کو سمجھنا ہے کہ اس علم کو حاصل کرنا ہوگا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ ہم ہی پڑھیں گے، نہیں آپ بھی پڑھیے۔ یعنی سائنٹسٹ (SCIENTIST) کی

ہیں آپ مگر محنت کیجیے۔ اگر آپ ڈاکٹر ہیں محنت کیجیے، علمِ دین کو پڑھیے، آپ بائیولوجسٹ (BIOLOGIST) ہیں، آپ محنت کیجیے اور علمِ دین کو پڑھیے۔ ہر کلمہ گو کے لیے علمِ دین کو واضح کر دیا گیا تاکہ کوئی پڑھ کے حکم دے اللہ کا شکر ہے کہ ہر طرف سے یہ آواز بلند ہے کہ اب تو دنیائے اسلام یہ کام ہوگا۔ ہم بڑے مطمئن ہیں، مگر دل میں یہ وسوسہ ہے کہ اسلام کے نام پہ کہیں کوئی اور چیز فکر میں تو نہیں ہے۔ یہ خود ایک علم ہے، مستقل علم ہے اور اس علم کی تاریخ " عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا سے شروع ہوتی ہے، اور " اَلرَّحْمٰنُ o عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ " پہ جاکر تاریخ ختم ہوتی ہے۔ تو آپ نے دیکھا کہ اتنا طویل زمانہ اس علم کی ترویج میں گذرا ہے۔ تو ایسے موقعوں پر درمیان سے کسی کا یہ کہنا کہ اب ہم نے دین کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا ہے تو قابلِ تبریک ہیں وہ لوگ جو یہ اعلان کر رہے ہیں لیکن صرف اتنی درخواست ہے کہ پہلے پڑھ لیجیے، کہیں غلطی نہ ہو۔ اس لیے کہ آپ کو جس پر اعتماد ہے کہ ہم اسلام سے لیں گے، خدا کی قسم اسلام وہ کُل ہے کہ جس سے ہر شے کو، ہر ذی حیات کو، ہر گوشۂ زندگی کو فائدہ پہنچ سکتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اسلام اور اسلام کے تعلق سے اُن تمام علوم کو دیکھنا ہوگا کہ جن علوم پر قرآن نے روشنی ڈالی ہے، تو ایسی منزل پر پہنچ کر ایک مرتبہ پھر واپس چلیں علمِ غیب کی طرف کہ قرآن کا تو یہ دعویٰ ہے کہ:

" وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ o (سورۃ النمل ۲۷ آیت ۷۵)

" اور آسمان و زمین میں کوئی شے غائب نہیں ہے مگر کتابِ مبین میں ہے۔"

اب جس کو کتابِ مبین کا علم دیا ہو تو اس کے نزدیک غائب کیا ہے، شہود کیا ہے۔ ایک بچّہ ہے کہ جو پڑھ رہا ہے اُس نے حروف کو دیکھا اُس نے مرکّب لفظوں کو دیکھا، اُس نے جملوں کو دیکھا، بہت کچھ غائب ہے حروف حاضر ہیں۔ بچّے نے ترقّی کی اور اب وہ جملے پڑھ رہا ہے تو عبارت حاضر ہے معنیٰ غائب ہیں، اور ترقّی کی، تو اب معنیٰ پر بھی عبور ہوا لیکن پتہ چلا کہ صحیح معنیٰ میں ادب، بلاغت، فصاحت، معنیٰ، بیان کے اصول سے واقف نہیں ہے وہ سب غائب ہیں۔ تو جیسے جیسے پڑھتا جاتا ہے، ہمیشہ جیسے جیسے علم میں ترقّی ہوتی جاتی ہے، متشابہ، محکم ہوتا جاتا ہے اور انسان کی نگاہوں سے پردے اُٹھتے جاتے ہیں اور انسان سمجھتا ہے کہ کل تک یہی بات غیب تھی، لیکن آج معلوم ہو گئی۔ زمین و آسمان کے متعلّق کتنی ایسی چیزیں ہیں جو گذشتہ تین سو برس کے دوران آپ کو معلوم ہوئی ہیں۔ ہمارے آبائے اوّلین کہ جن کا انتقال تین سو برس پہلے ہوا ہے اگر آج اُن کو زندہ کیا جائے تو اِس دنیا کو دیکھ کے وہ گھبرا جائیں گے کہ ہم اِس دنیا سے تو نہیں گئے تھے۔ تو بات کیا تھی؟ بات صرف یہ ہے کہ ہر آن ایک غیب شہود کی منزل پر آ رہا ہے۔ اِسی لیے آواز دی:

"وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○ (سُورۂ حجر[15] آیت ۲۱)

"اور کوئی شے ایسی نہیں ہے کہ جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، ہم قدرِ معلوم پر نازل کرتے جاتے ہیں۔"

"کوئی شے ایسی نہیں ہے کہ جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، ہم قدرِ معلوم پر نازل کرتے جاتے ہیں۔" خزانے اُس کے پاس ہیں، اور

قدرِ معلوم کے ذریعے نازل کیے جاتے ہیں۔ تو قدرِ معلوم پر نزول واسطے کے ذریعے ہے ـــــ علم کے ذریعے ہے اور ایک ہی واسطہ ملّتِ مسلمہ کے لیے قرار پایا کہ اگر یہ قرآن علم ہے تو اس معلوم کو واسطہ بنایا کہ جس نے تیئیس[۲۳] سال کے عرصے میں قرآن کی کسی آیت کو بھی پڑھتے ہوئے ایک حرف اور ایک لفظ کا بھی اضافہ نہیں کیا اور ارشاد فرمایا کہ دنیا میں بھی امین ہوں اور آخرت میں بھی امین ہوں۔ تو ذاتِ ختمی مرتبتؐ کے ذریعے علم ملا اور اُن کی ذاتِ گرامی مرکزِ علم قرار پائی۔ اب اس علم کے لیے اور اس کے حصول کے لیے اگر ہمارے پاس فقط کشف رہ گیا ہے، فقط وجد رہ گیا ہے، فقط مراقبہ رہ گیا ہے، فقط رقص رہ گیا ہے کہ اس طرح سے ہم علم کو حاصل کریں گے، تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے صحیح معنیٰ میں دنیا کو نہیں دیکھا، دنیا میں ـــــ حکمت، وکالت یا کوئی اور پیشہ وجد و رقص سے حاصل نہیں ہوتا، مراقبے سے حاصل نہیں ہوتا تو عجیب بات یہ ہے کہ ہر جگہ تو محنت ہے مگر دین میں کشف ہے۔ سینہ کھُل گیا ہم نے دیکھ لیا، سینے سے سینہ لگالیا تو بھی سمجھ گئے، تو اِس سلسلے کو آخر کہاں تک پھیلایا جائے گا، اس لیے میں یہ چاہتا تھا کہ ایک مرتبہ ملّتِ مسلمہ جب اتّحاد کی منزل پر یہ طے کر رہی ہے کہ اب ہم اپنے لیے راہیں ڈھونڈیں گے اور اپنے ہی دین کو، مذہب کو اور اپنی ہی الٰہی کتاب کو بنیادِ مذہب قرار دیں گے تو اس کتاب پر CONCENTRTION بھی تو ہو۔ ہر طرف سے یہ آواز ہے کہ اسلام پر بنیاد ہو گی مگر اب تک یہ گفتگو نہیں چھڑی کہ خود اسلام کیا ہے؟ اس لیے کہ اس گفتگو کے چھڑ جانے کے بعد کچھ خدشات پیدا ہوتے ہیں اور پہلا خدشہ یہ ہے کہ سن گیارہ ہجری ۱۱ھ میں سرکارِ رسالتؐ نے رحلت کی ہے تو اب تصوّر یہ ہوتا ہے کہ اُن تک پہنچنے کے لیے راستہ کیا ہو؟ تو بہر حال سب کو اجازت ہے کہ وہ جس راستے سے بھی

جائے مگر اُس ذات سے وابستگی اختیار کی جائے جس میں نہ عیب ہے اور نہ رَیب ہے۔ نبیؐ کی منزل علمِ کمال کی منزل ہے' جہاں یقین ہی یقین ہے شک نہیں ہے۔ تو قرآن عینِ یقین ، نبیؐ عینِ یقین تو پھر اب نبیؐ سے سلسلہ ملانا ہے تو پھر وہ آئے کہ جو اس شان سے یہ کہے کہ :۔

★ "پردے اُٹھتے جائیں مگر میرا یقین جہاں ہے وہیں رہے گا۔"

اب ایک اور میرے مولاؑ کا ارشاد سُن لیجیے . . .

★ "علم آگیا ہے' عمل کرو ، یقین آگیا ہے اقدام کرو "

علم و یقین ہی تو دو دولتیں ہیں کہ جس پر دنیا کا مدار ہے۔ تو یہاں نہ اقدام ممکن ہے نہ عمل ممکن ہے۔ بس صرف ایک تمنّا ہے کہ ہم ایسا کریں گے تو اقدام اس لیے نہیں ہے کہ یقین نہیں ہے اور عمل اس لیے نہیں ہے کہ علم نہیں ہے۔ میری واحد تمنّا یہ ہے کہ اسلام کے مختلف طبقات میں دشمنیاں ہٹا کر، تعصّبات کو دور کر کے ، حمیّت باطلہ کو برطرف کر کے اگر حق کی منزل پر آؤ تو اب بھی کچھ نظر آئے گا۔ فکر کا تو اختلاف رہے گا ، کہ اختلافِ فکر ہی سے ترقّی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی گھبرا جاتا ہوں کہ معلوم نہیں آپ کیا سمجھتے ہوں گے ، یہ حمیّتِ باطلہ کیا ہے ؟ ایک مثال دے دوں۔ مولانا محمّد علی احمدی مفسّرِ قرآن ، بڑے جہاندیدہ لوگوں میں سے تھے ، بڑے پڑھے لکھے لوگوں میں سے تھے ، تفسیر لکھی ہے انگریزی میں اور ہمارے مطالعے میں ہمیشہ یہ تفسیر رہتی ہے۔ "سورۂ احزاب" کی تفسیر کرتے ہوئے ایک منزل پر پہنچے کہ جہاں یہ ارشاد ہوا کہ رسول کی بیویاں اُمّت پر حرام ہیں اور اُمّہات المومنین ہیں تو صاحبانِ ایمان کی مائیں ہیں" کوئی اُن سے عقد نہ کرے "۔

اب اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ " اس لیے منع کیا کہ کوئی بی بی شادی

نہ کرے کہ ایک بیٹی کی اولاد کی ناجائز طرفداری نے اتنے فرقے پیدا کردیے اب اگر اور بیبیوں کو اولاد ہو جاتی تو دین کا کیا حال ہوتا، تو ایک بیٹی کی اولاد کی ناجائز طرفداری حمیّتِ باطلہ ہے۔ یہ ناجائز طرفداری کی کیا بات ہے؟ یہ ناجائز طرفداری کیا ہو رہی ہے؟ یعنی زمانے نے ایک ایسی منزل پر رسولؐ کی بیٹی کی اولاد کو پہنچایا تھا جہاں ۶۱ھ میں نہ امامِ اعظم تھے، نہ امام مالک تھے، نہ امام شافعی تھے، نہ امام احمد ابنِ حنبل تھے۔ محدّثین میں سے کوئی نہیں، ائمّۂ فقہاء میں سے کوئی نہیں، اکیلے حسینؑ ایک طرف، اکیلا یزید ایک طرف۔ تو اگر تم نے ناجائز طرفداری کی، اب جائز طرفداری کر کے بتلاؤ۔ نہ امامِ صادقؑ ہیں اور نہ ائمّۂ فقہاء موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا احترام بھی ہے، اِس لیے کہ انھوں نے مکاتبِ فقہی قائم کیے ہیں اور مکاتبِ فقہی قائم کر کے خود ہم کو پہچنوایا۔ میں کیا تعریف کر سکتا ہوں امامِ اعظم، امامِ مالک، امام شافعی اور امام احمد ابنِ حنبل کی۔ اُنھوں نے فقہ کے دفتر درست کیے، احادیثِ نبویؐ سے احکام کو لیا اور اس کے بعد جب صادقینؑ کے احکام سامنے آئے، یعنی امام محمّد باقرؑ اور امام جعفر صادق علیہما السّلام کے احکام سامنے آئے تو اُس وقت ہم کو معلوم ہوا کہ رسولؐ سے مسلسل حدیث کو لینے میں اور بالواسطہ لینے میں اور بالمشافہ لینے میں کیا فرق ہوتا ہے۔ ہم کو اس بات کا علم ہوا اور اسی علم کو شیخ محمّد شلتوت نے جامعۂ ازہر سے، اُنھوں نے ہماری کتاب "وسائل الشیعہ" کا مقدّمہ لکھتے ہوئے لکھا، جو کہ ہماری فقہ کی کتاب ہے اور حُرِّ عاملی کی اہم ترین تصنیف ہے اس کی پہلی جلد پر شیخ محمّد شلتوت نے مقدّمہ لکھتے ہوئے لکھا کہ: "آج میں افتخار محسوس کر رہا ہوں کہ ایک شیعی فقہ کی کتاب پر مقدّمہ لکھ رہا ہوں، مگر یہ لکھنا چاہتا ہوں کہ کاش ہمارے علماء جان لیتے کہ شیعی فقہ کا پڑھنا کیوں ضروری ہے، اِس لیے کہ جب تک یہ فقہ

پڑھی نہ جائے کسی اور کی فقہ سمجھ میں نہیں آتی۔"

یہ جملہ بذاتِ خود ایک مکتب ہے اور ایک دفتر ہے کتنی ہزار مثالیں دی جاسکتی ہیں کہ کیا سمجھنا ہے۔ بہرحال مشائخ اجازہ کی کیفیت یہ ہے کہ کسی نے بنی اسد کے قبیلے سے لیا، بنی اسد کے قبیلے سے کوئی استاد تھا، اُن کا اُستاد بنی تمیم کے قبیلے سے تھا، اُنھوں نے حدیث کو لیا بنی تمیم سے، بنی تمیم نے اپنے استاد سے لیا، وہ بنی ہوزن کے قبیلے سے تھا، بنی ہوزن نے اپنے اُستاد سے لیا، جو کہ بنی اسد کے قبیلے سے تھا، بنی اسد نے رسولؐ کے کسی مقرّب صحابی سے لیا، کہ میں نے ایسے سُنا۔ تو آپ نے دیکھا کہ اتنے بدلتے ہوئے قبیلے جب ایک حدیث کی نقل میں آجائیں تو تمیم کو ہوزن سے کیا ہمدردی، ہوزن کو تمیم سے کیا ہمدردی تو جب ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے میں روایت آئی تو نتیجہ یہ ہوا کہ منتقل ہونے والا علم صحیح معنیٰ میں اُس ظرف کو نہ پاسکا کہ جس ظرف میں عصمت لازم تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روایتیں مختلف مقامات پر بدلتی ہوئی نظر آئیں گی۔ گفتگو وہی ہے ــــــ ــــــ میں آپ کے افہام و تفہیم کے لیے کہہ دوں، ملّتِ مسلمہ بھی سُن لے کہ، خدا و رسولؐ گواہ ہیں کہ آپ واقف ہیں کہ میں کس عقیدے سے متعلّق ہوں لیکن یہ کہنا چاہتا ہوں کہ فقہ جعفری میں کوئی بھی تو حکم ایسا نہیں ہے یعنی روزہ ہو، یا نماز ہو، حج ہو، زکوٰۃ ہو، خمس ہو یا جہاد ہو، کوئی بھی حکم ایسا نہیں ہے کہ جس کو کسی نہ کسی ائمّۂ فقہ میں سے کسی امام نے نقل نہ کیا ہو۔ یا امام مالک نے، یا امام شافعی نے، یا امامِ اعظم نے، یا امام احمد ابنِ حنبل نے، ہاتھ باندھنا ہو یا ہاتھ کھولنا کسی نے یہ روایت لی اور کسی نے وہ روایت لی۔ وہ تشہد کا پڑھنا ہو وہ دعائے قنوت ہو، تو امام شافعی نے دعائے قنوت کی اجازت دی، تو کسی نے یہ روایت لی اور کسی نے وہ روایت لی۔ کیوں؟ اِس لیے کہ ہم تک روایت

پہنچانے والوں نے کہا کہ مجھ سے میرے باپ نے کہا، اُن سے اُن کے باپ نے کہا، اُن سے اُن کے باپ نے کہا، تو قبیلہ ایک سلسلہ ایک، ہمدردی ایک، علم سے درد ایک، اور پھر سب کو یہی فکر کہ میرے جد کے پیغام کی حفاظت ہو جائے، اِس لیے جب ہم نے صادقینؑ سے علوم کو لیا تو یہ سمجھ کے لیا کہ یہ بہتر جانتے ہیں کہ اِن کے جد کے علوم کی حفاظت کس طرح کی جاتی ہے۔

ایک بات ذہنوں میں محفوظ رہے کہ اتنا وسعت رکھنے والا علم ہے، یہ علمِ دین کہ اس کو اتنا سرسری اور اس قدر سُرعتِ فکر کے ساتھ اُس لفظ کو استعمال کرنے کی کوشش نہ کریں۔ دین دار سب ہیں اور سب کو حق پہنچتا ہے صرف دین کا، مگر علم اور ہے، علم کی حقیقت اور ہے، علم کی حقیقت کا تقاضا یہ ہے کہ محنت ہو اور محنت کا تقاضا یہ ہے کہ بنیادیں صحیح ہوں اور بنیاد سوائے علمِ معصوم کے اور کچھ نہیں ہے۔ ارے آج دنیا کیسے بدل گئی؟ دنیا میں کیا انقلابات آ گئے، کتنے کھرے اور سچّے تھے وہ لوگ کہ جو کہتے تھے کہ "اگر تم نہ ہو تو ہم ہلاک ہو جائیں گے"۔ بات تو بس یہی ہے کہ انسان محسوس کرے کہ حدِّ عاجزی کیا ہے۔ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ میرے پاس بھی علم ہے مگر علم ہی ایک منزل ہے کہ جہاں آدمی جلدی سے پرکھ لیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ میرے پاس دولت ہے، تو گھر میں ہوگی، میرے پاس جواہرات ہیں، تو گھر میں ہوں گے، میرے دادا کا خزانہ ہے، کسی مقام پر دفینہ ہوگا۔ مگر یہ علم کی ہی بات ہے کہ کہیں جانے آنے کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنی جگہ سے ہٹنے نہیں دیتا کہ کدھر جا رہے ہو؟ تقوے کی باتیں اپنے گھروں میں کرو، تقوے کی باتیں اپنے گاؤں، زمین، عبادت خانوں میں کرو، تقوے کی باتیں اپنے گرجاؤں میں کرو، تقوے

کی باتیں اپنے اُن مکانات میں کرو جہاں بند ہو کر تم سَو سَو برس عبادتیں کرتے ہو مگر علم کی باتیں ہیں تو لاؤ اپنے بیٹوں کو ہم لاتے ہیں اپنے بیٹوں کو، لاؤ اپنی عورتوں کو ہم لاتے ہیں اپنی عورتوں کو، اور لاؤ اپنے نفسوں کو ہم لاتے ہیں اپنے نفسوں کو' یہ مقامِ علم ہے۔

تو آپ نے دیکھا کہ آپ جو سلسلہ چاہتے تھے رسولؐ تک تو وہ سلسلہ یہی ہے۔ حضرت شیخ الاسلام شیخ اشرف علی تھانوی نے آیۂ مباہلہ لکھ کے حاشیہ دیا اور اُس کے الفاظ یہ ہیں کہ: "یہ آیت آئی اور حق یہ ہے کہ علیؑ نکلے، فاطمہؑ نکلیں اور حسنؑ وحسینؑ نکلے۔ نفس کی جگہ علیؑ، نساء کی جگہ فاطمہؑ، اَبناء کی جگہ حسنؑ وحسینؑ"، تو ملّتِ مسلمہ نے اِس راستے کو کیوں چھوڑا۔

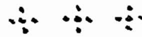
معلوم نہیں کیا بار ہوگیا دماغِ ملوکیت پر اور کس چیز نے خراش لگادی۔ ایک دن مامون رشید نے بڑی گراں خاطری کے ساتھ یہ کہا کہ یا ابنَ رسولُ اللہ! یہ آپ جو بار بار کہتے ہیں کہ میں عترت میں ہوں، اِسی بات پہ کہتے ہیں نا کہ مباہلہ میں اَبناءَنا ہے۔؟ ارشاد فرمایا: نہ ہو۔ کہا اَبناءَنا نہ ہو تو بھی آپ ناز کریں، تو مولا نے کہا، ہاں، اِس لیے کہ نِساءَنا ہے۔ تو کہا اس لیے کہ ماں گئیں تھیں، تو مولا نے کہا: نہ ہو۔ تو اب تو مامون پریشان ہوگیا، کہا اَبناءَنا اور نِساءَنا بھی نہ ہو تو جب بھی ناز کریں گے؟ ارشاد فرمایا کہ: ہاں، ہم سب نفوسِ محمدؐ ہیں ہم سب اَنفُسَنَا میں ہیں"۔ تو علمِ معصوم یوں منتقل ہوا۔ ہم نے نفس سے لیا، اور یہ منزل ہے کہ جہاں ذاتِ خاتم مطمئن ہے کہ یہ اَبناءَنا کا سلسلہ ہے اور یہ نفوس باقی ہیں۔ یہ نساء ساری کائنات میں مظہرِ جمال وجلالِ پیغمبرؐ بن کے نمائندگی کرتی رہے گی۔ یعنی زہراؑ ...... مطمئن ہیں ہم —— !

بہرحال، ہم چاہتے ہیں کہ ایک کیفیتِ یقینی پیدا ہو جائے اور یقین کی

صورت میں انسان بے اختیار اقدام کرتا ہے اور آگے بڑھتا ہے اور یہ یقین ہی کی منزل ہے کہ جہاں انسان جذباتِ فدویت و قربانی کے ساتھ آتا ہے۔ حسینؑ کو یقین ہے کہ میرے عمل سے میرا جد راضی ہے، کہ میرے عمل سے میرا خدا راضی ہے۔ یقین ہے حسینؑ کو کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ حق کہہ رہا ہوں کسی کی مجال نہیں ہے، میدانِ کربلا میں جو یہ کہے کہ حسینؑ! تمھارا قرآن الگ ہے اور یہ کہ، حسینؑ! تم تو نماز الگ طریقے سے پڑھتے ہو۔ کسی نے بھی الزام نہیں لگایا۔ بحث بیعت کی ہے۔ فقہی مذہب کی، اور فقہی مکتب کی بحث نہیں ہے۔ یہ دورِ یزیدؑ ہے سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ یہ فقہی بحث نہیں ہے کہ تمھاری نماز یہ ہے، تمھارا قرآن یہ ہے کہ تم اس طریقے سے عبادت کرتے ہو۔ نہیں۔ بلکہ بیعت کرو۔ تو انکارِ بیعت جس طرح سے ہوا سو ہوا، مگر حسینؑ نے بھی انتہا کر دی کہ زمانے کے آخری حصّے تک بھی ہر (JUDGEMENT کے لیے، ہر فیصلے کے لیے اپنے ہاتھ کو پیش کر دیا کہ ملّتِ مسلمہ جب چاہو میرا فیصلہ کر دو۔ جب چاہو فیصلہ کرنا۔ دیکھو یہ آخری منزل ہے۔ علی اصغرؑ کو لے کے آئے، ہے کوئی فیصلہ کرنے والا، ہے کسی کے دل میں درد؟

علی اصغرؑ آئے۔ جھولے سے لیا، پیار کیا اور ادب سے بچے کی ماں نے اتنا کہا کہ والی! غشی طاری ہے مگر اس کے باوجود جب آپ نے آواز دی کہ "ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا " یہ بچہ جھولے سے گر پڑا۔ تو یہ کہہ کے چلے کہ آؤ اصغر تم بھی میدانِ کربلا کی سیر کر آؤ میرے لعل۔ کہا کہ ہم کوشش کریں گے پانی پلانے کی۔ تو ماں نے کہا کہ والی! ذرا کپڑے بدل دوں اس کے۔ علی اصغرؑ کی پوشاک بدل دی۔ حسینؑ نے بچے کو گود میں لیا، کربلا کی زمین گرم تھی۔ آفتاب قیامت کی تمازت برسا رہا تھا۔ فرزندِ رسولؐ نے یہ سمجھ کر کہ فاطمہؑ کے باغ کی یہ تازہ کلی کمھلا نہ جائے

عبا کا دامن ڈال دیا اور چلے اور کچھ وقت گذر گیا، تھوڑی دیر کے بعد اُمِّ ربابؑ نے کہا کہ شہزادی اُمِّ کلثومؑ! آقا اب تک نہیں آئے۔ تو اُمِّ کلثومؑ نے پردہ ہٹا کے کہا کہ ربابؑ! کبھی آ رہے ہیں، کبھی جا رہے ہیں۔ تو ایک مرتبہ امامؑ کی آواز آئی اُمِّ کلثومؑ! یہاں بچے کی ماں بھی ہے؟ تو کہا: ہاں آقا کھڑی ہوئی ہیں اُمِّ ربابؑ۔ ربابؑ کو بلایا، ربابؑ باہر آئیں۔ امامؑ نے کہا: ربابؑ! میں کون ہوں؟ تو اب جو آقا کے چہرے کو دیکھا تو دیکھا رنگ بدلا ہوا ہے۔ پہلے چہرے پہ لہو نہیں تھا اور اب تمام چہرے پہ لہو ہے۔ ربابؑ نے کہا کہ آپ حجّتِ خدا، آپ مالکِ کُل ہیں۔ کہا: ربابؑ! صبر کرو گی۔ تو کہا ہاں والی صبر کروں گی۔ امامؑ نے کہا: ربابؑ تیرے بچّے کو لے گیا تھا یہ سمجھ کے کہ پانی ملے گا، تو ربابؑ! پانی تو نہیں ملا، یہ دیکھ تیرا بچہ ہے۔



مجلس ہفتم

۱۔ معصوم کی تعریف۔
۲۔ علمِ نبوّت قیامت تک دیکھتا ہے۔
۳۔ آیات کا مفہوم رسولؐ نے بتا دیا تھا۔
۴۔ فکرِ بد معصوم کو نہیں پا سکتی۔
۵۔ رسولؐ کا علم اور غدیرِ خم۔
۶۔ قیامت کو دیکھنے والا رسولؐ کربلا کو بھی دیکھ رہا تھا۔
۷۔ رسولؐ کو حضرت فاطمہؑ اور اُن کی اولاد پر ہونے والے مصائب کا علم تھا۔
۸۔ اسلام کربلا ہے اور کربلا اسلام ہے۔
۹۔ دنیا کی ہر شے پانی سے زندہ ہے۔
۱۰۔ سبیلِ حسینؑ کی عظمت۔
۱۱۔ سکینہؑ بی بی کی پیاس اور حضرت عبّاسؑ کی رخصت۔

عشرۂ محرّم الحرام ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء بمقام نشتر پارک
۷ محرّم ـــــــ ۱۶ مارچ

مجلسِ ہفتم

"علمِ معصوم" کے عنوان سے آپ ساتویں تقریر سماعت فرما رہے ہیں۔
میری اِن تقریروں اور باقی تقریروں میں میرا یہ طریقہ رہا ہمیشہ سے رہا ہے کہ گفتگو کھلے دل سے ہو، بڑی وضاحت سے ہو، ہر مسلمان کو اپنا بھائی جان کر گفتگو ہو اور ملّتِ اسلامیہ کی اخوّت کو پیشِ نظر رکھ کر مباحث کو پیش کیا جائے۔ یہ معنیٰ نہیں کہ مصلحتوں کی وجہ سے کچھ چھپایا جا رہا ہے اور کچھ کہا جا رہا ہے۔ خدا کیسا ہے اور کیسا نہیں۔ کوئی بات ایسی ہے ہی نہیں کہ جس کو چھپایا جائے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اسلام میں فرقے ہیں۔ "مستدرک حاکم" کے اعتبار سے (۷۳) تہتّر فرقے ہیں۔ اور "مستدرک حاکم" کے متعلق ایک بات یاد رکھیے کہ ــ حاکم کا سنِ وفات ۴۰۵ ھ ہے اور غالباً یہ ۳۲۵ھ یا اس کے بعد پیدا ہوئے ہیں اور علماء میں سے ہیں۔ اور اُس وقت فرماتے ہیں کہ اسلام میں تہتّر (۷۳) فرقے ہیں۔ تو آج کی خبر تو خدا ہی جانے۔ بہر حال فقہی اختلافات اور اختلافاتِ فکر و نظر تو ہیں۔

ہم نے بغیر کسی دماغی تعطّل کے آج سے کئی سال پہلے اعلان کیا تھا اور اس کو پچھلے سال دُہرایا اور اِس سال دُہرا رہا ہوں کہ جیسا کہ ابنِ لُعم سے امیر المومنینؑ نے خواب میں کہا تھا کہ یہ جو بغداد سے قافلہ گذر رہا ہے اور اُس میں ایک عالم آ رہا ہے تو اُس سے صرف اتنا پوچھنا کہ اسلام میں کتنے فرقے ہیں اور اگر وہ یہ کہے کہ تہتّر (۷۳) فرقے ہیں، تو یہ پوچھ لینا کہ آلِ محمدؐ کس فرقے میں ہیں؟ ۔ تو بس ہم نے بڑی وضاحت کے ساتھ کہا ہے کہ آلِ محمدؐ جدھر ہیں ہم بھی اُسی طرف ہیں۔

اِس میں نہ چھپانے کی بات ہے اور نہ اس میں بتلانے والی کوئی بات ہے کہ جہاں ہم دماغی طور سے کسی چیز کو بتلائیں ۔

جیسا کہ میں نے پچھلی تقاریر میں کہا کہ آلِ محمدؑ خود معیار بنتے ہیں کسی اور کو معیار نہیں بناتے ۔ آلِ محمدؑ کے کلام اور گفتگو کے لیے اور ان کی حدیث کو سُن کر ہم کسی اور سے یہ نہیں پوچھتے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں ، بلکہ دوسروں سے سُن کر ہم آلِ محمدؑ سے یہ پوچھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں ۔ اِس لیے کہ یہ گھر اِن ہی کا ہے ۔ تو ہمارا موقف تو واضح ہے ۔ یعنی یہ مجلسیں کھُلے دل سے کی جارہی ہیں اور کھُلے مقام پر کی جارہی ہیں اور پھر اس میں کسی قسم کی پابندی نہیں ہے تو پھر اِس لیے نہیں ہے کہ ہم اپنی وسعتِ قلب کا ثبوت دے رہے ہیں ۔ اختلافات کو مٹانے کے لیے تقریر نہیں ہورہی ہے ؛ اختلافات تو قیامت تک رہیں گے ، اِس لیے کہ فکر و نظر و آراء کا اختلاف ہے ۔ یعنی دو ڈاکٹروں کی رائے مختلف ہوسکتی ہے اور دو وکیلوں کی رائے مختلف ہوسکتی ہے ، دو طبیبوں ، دو انجنیئروں کی رائے مختلف ہوسکتی ہے ، چہ جائیکہ محبت کے راستے میں اگر رائے مختلف ہوجائے تو پرواہ نہیں ہے ۔ جو جس کو چاہے دوست رکھے ۔ کسی پر جبر نہیں کیا جاسکتا کہ آلِ محمدؑ ہی کو دوست رکھو ۔ آلِ محمدؑ کے علاوہ بھی اور جتنے گھرانے ہیں اگر اُن سے دوستی ہے تو اس سے ہم کو تکلیف نہیں ہے ۔ مگر آلِ محمدؑ کی دوستی میں ایک فائدہ جو ہم کو ملا اس کی تصدیق ہو نہ ہو ، آپ مانیں یا نہ مانیں ، آپ مبالغہ سمجھیں یا حقیقت سمجھیں ، آپ خودستائی کہیں یا کچھ اور فقط یہ ایک ہی گھرانہ ہے کہ جس نے یہ ذمّے داری قبول کرلی ہے کہ اگر ہمارا دامن تھام لو تو یہاں بھی بچائیں گے اور وہاں بھی بچائیں گے ۔

تو اِن مجالس سے ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ معصوم کے نقطۂ نگاہ کی

وضاحت ہو۔ "علمِ معصوم" سے مقصد ہی یہ تھا کہ معصوم کے نقطۂ نگاہ کی وضاحت ہو۔ جب آپ کو روایات کے پڑھنے کا موقع ملے تو یہ دیکھیئے کہ قرآن کی کس آیت کو معصوم نے کہاں صَرف کیا ہے۔ یہ اُن کا حق ہے اور اُن کا اختیار ہے اور کسی اور کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ قرآن کی کسی آیت کو کسی جگہ صَرف کرے۔

قرآن کلامِ ربّانی ہے، قرآن حکمتِ الٰہی ہے، قرآن قانون ہے اُس حیّ وقیّوم ولم یزل ولایزال کا کہ جس قانون کو قیامت تک رہنا ہے۔ یعنی جسکی ہر آیت اور آیت کا ہر لفظ حجّت ہے اور اس حجّت کے ساتھ ہم جب قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یقیناً قرآن مجید میں ہماری آپ کی طرح سے اپنے دوستوں کی مدحت سرائی میں جس طرح ہم مبالغہ کرتے ہیں، اس طرح قرآن نے انبیاء کی مِدحت سرائی میں مبالغہ نہیں کیا ہے۔ اگر کسی نبیؑ کی قرآن نے تعریف کی تو خاکم بدہن، کیا ضرورت ہے قرآن کو تملّق کی، یعنی کیا ضرورت ہے قرآن کو کسی کی ایسی تعریف کی کہ جس کا وہ اہل نہ ہو، جب تک حق نہ پہنچے قرآن کسی کی تعریف نہیں کرتا۔ تو اگر یہ بات آپ کے اذہان میں محفوظ ہو جائے کہ قرآن نے کبھی بھی کسی کی بے جا تعریف نہیں کی، بلکہ عادلِ حقیقی نے کمالِ عدل پر اگر کسی کی تعریف کی ہے تو اُس کے معنٰی یہ ہیں کہ آپ کے لیے حجّت ہے کہ اب تو اُس کو پہچانو۔ سورۂ "طور" میں قرآن مجید کا باونواں[۵۲] سورہ ہے اُس کی ایک چھوٹی سی آیت ہے:

" وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا " (سورہ[۵۲] طور آیت[۴۸])

" اور اپنے ربّ کے حکم کا انتظار کر، (رسولؐ) تجھ پر ہماری نگاہیں جمی ہوئی ہیں۔"

اگر " اِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا " کو سمجھنا ہے تو یہی لفظ قرآن مجید میں ایک اور جگہ

بھی آیا ہے۔ جب نوحؑ کشتی بنا رہے تھے تو ارشاد ہوا تھا:

"وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا" (سورہ ۱۱ ہود آیت ۳۷)

"اور کشتی ہماری نگاہوں کے سامنے بناؤ۔"

تو نوحؑ کا سفینہ ہماری نگاہوں کے سامنے بنے گا، یعنی ہم علم دے رہے ہیں نوحؑ کو سفینہ سازی کا، اس لیے جیسے جیسے لکڑیوں کو جوڑتے جاؤ گے، جہاں جہاں وسعت کی ضرورت ہے اور جہاں جہاں ہم یہ دیکھیں گے کہ اب اس مقام پر کشتی کی ساخت کو کسی اور طریقے سے آگے بڑھانا یا کم کرنا مقصود ہو تو ہم بتلا دیا کریں گے۔ تو ایک کشتی کے لیے یہ حکم ہوا کہ کشتی ہماری نگاہوں کے سامنے بنے گی، تو پیغمبرؐ کی پوری زندگی کے لیے حکم ہو رہا ہے کہ تم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو۔ اُٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، سونا، جاگنا، تکلّم خاموشی، کسی سے جنگ، کسی سے صلح، کسی منزل پہ مباہلہ۔ یہ سب نگاہِ الٰہی میں ہے۔ یعنی ذاتِ واجب کی نگرانی میں یہ عمل ہو رہا ہے۔ اب تو اس منزل پر معصوم کی تعریف کو واضح ہو جانا چاہیے کہ معصوم کے معنیٰ کیا ہیں؟ معصوم کے معنیٰ یہ ہیں کہ امام صادق علیہ السّلام سے پوچھا گیا کہ فرزندِ رسولؐ! معصوم کی تعریف کیا ہے؟ ارشاد فرمایا:

"وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ" (سورہ ۳ آلِ عمران آیت ۱۰۱)۔ معصومؑ نے یہ آیت پڑھ کے اعتصام کے معنی بتائے۔ "اور جو شخص خدا سے وابستہ ہو اعتصام کرے، وہی صراطِ مستقیم پر ہے۔"

جو اللہ سے اعتصام کرے۔ یعنی اللہ سے ایسا رابطہ کرے کہ جو رابطہ ٹوٹنے ہی نہ پائے۔

"وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ ... " (سورۃ ۳ آلِ عمران آیت ۱۰۳)

" اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامو " اِعتصام۔ یعنی اِعتصام اگر کسی کا اللہ سے ہو تو اُسے معصوم کہتے ہیں۔ تو معصوم کے معنٰی میں ممکن ہے کہ اختلاف ہو کہ معصوم کیوں کہتے ہو اور کون معصوم ہے۔ تو میرے عزیز بھائیو! اگر آپ معصوم کے یہ معنٰی کر رہے ہیں کہ جہاں کوتاہی نہ ہو، نقص نہ ہو، کمی نہ ہو تو یہ معنٰی تو غلط ہیں۔ اِس لیے کہ ختمی مرتبت صؐ میں ایک نقص ہے اور وہ نقص ہے امکان کا، وہ واجب ہے۔ یہ ممکن ہیں۔ ایک نقص ہے۔ وہ خالق ہے یہ مخلوق ہیں، مگر مخلوق ایسا کہ جس کے آئینے میں خالق جلوہ گر ہے اور وہ قدیم ہے تو یہ حادث ہیں، مگر ایسا حادث کہ اب قیامت تک لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه بھی رہے گا۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ معصوم کہے کہ ہم نے خدا بنانے کی کوشش کی، معصوم عبدیّت ہے، امکان معصوم ہے حدوث معصوم ہے، خِلقت میں ایسا مخلوق کہ جس کو خالق نے اپنے لیے خلق کیا، وہ معصوم ہے۔ آئیے اب معصوم کی تعریف کریں۔

کچھ انسانوں میں اچھی تربیت، اچھا معاشرہ، اچھا گھرانہ، اچھا اُستاد ملنے کی وجہ سے ایک ایسی کیفیّت پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی انسان یہ کہے کہ اتنے روپئے لے لو، ایک مرتبہ جھوٹ کہہ دو۔ تو اچھی تربیت کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ میری فطرت نہیں بدلتی، تم روپئے سے میرا ضمیر نہیں خرید سکتے ہیں میں جھوٹ نہیں کہتا۔ کسی انسان سے اگر یہ کہا جائے کہ اتنے ہزار روپئے لے لو اور وہ مال جو وہاں رکھا ہے اُس کو یہاں لے آؤ۔ تو خدا گواہ ہے آپ میں سے کوئی انسان یہ کام نہیں کرے گا۔ تو یہ ایک مَلکہ ہے، یہ ایک جبلّت ہے، یہ ایک کیفیت ہے کہ طبیعت فطرتاً بُرائی کی طرف راغب نہ ہو۔ یعنی بِلا ارادہ بھی

جہاں غلطی اور گناہ نہ ہو۔ یہ کیوں ؟ تو آپ اپنے اوپر غور کیجیے کہ کیا بلا ارادہ کوئی گناہ کر سکتا ہے، کیا بلا ارادہ کوئی ایسی غلطی کر سکتا ہے کہ جس کی سزا معیّن ہو۔ اگر گھرانہ شریف ہے، اُستاد شریف ہے، معاشرہ شریف ہے تو کبھی کوئی ایسی غلطی نہیں کرے گا، چہ جائیکہ ہدایتِ انسانی کے لیے ذاتِ واجب نے ایک ایسے سلسلے کو دُرست کیا کہ جو سلسلۂ شجرِ ممنوعہ سے لے کر شجرِ طیّبہ تک رہے یعنی آدمؑ سے لے کر خاتمؐ تک یہ سلسلہ رہے تو وہاں پتہ چلتا ہے کہ کیسی کیسی تربیت کی گئی۔ " یہ وہ لوگ تھے کہ کریم صُلبوں نے ان امانتوں کو طاہر رحموں تک پہنچایا۔"

یہ نور کے اصلاب میں سجدے کرتا تھا۔

امام رازی فرماتے ہیں اِس آیت کی تفسیر میں :

" وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۙ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۙ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝ (سورۂ ۲۶ الشعراء آیت ۲۱۷ تا ۲۱۹)

" اور بھروسہ کر عزیز و رحیم پر کہ جو تجھ کو دیکھتا ہے جب تو قیام کرتا ہے اور تجھ کو (دیکھتا ہے) تو بدل بدل کر سجدہ کرنے لگتا ہے۔ "

امام رازی لکھتے ہیں کہ یہ نبیؐ کا نور تھا جو کبھی آدمؑ کی پیشانی پر تھا، کبھی نوحؑ کی پیشانی پر چمک رہا تھا، کبھی ابراہیمؑ کی پیشانی پر تو کبھی اسماعیلؑ کی پیشانی پر چمک رہا تھا، تو کریم صُلبوں نے طاہر رحموں تک اس نور کو پہنچایا۔ جہاں اتنی حفاظت کے ساتھ نور آیا ہو وہاں امکانِ خطا کیسا۔

سورۂ جنّ قرآن کریم کا بہتّرواں ۷۲ سورہ، اس کی آیت ہے :

" عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ... " (سورۂ ۷۲ جنّ آیت ۲۶ - اور - ۲۷)

" غیب کا عالم اپنے علمِ غیب کو ظاہر نہیں کرتا، مگر جس کو وہ رسولوں میں مرتضیٰ کرلے اس پر۔ "

اس کے بعد کی آیت ہے:

"لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَىْءٍ عَدَدًا" (سورۂ جن آیت ۲۸)

"تاکہ وہ جان لے کہ انھوں نے اپنے رب کے عوامل کو کلیتاً پہنچا یا اور جو کچھ اُن کے پاس ہے وہ اُس کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ہر چیز کو اُس نے شمار کر رکھا ہے۔"

اس لیے تبلیغ کے لیے اس کو بھیجا، حفاظت ہم نے کی، ہر چیز کو ہم نے گھیر رکھا ہے، نبیؐ پر ہماری نظر ہے، اُس کے اُٹھنے، بیٹھنے، چلنے، پھرنے پر ہماری نظر ہے۔ پھر یہ کہ کوئی اس کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے تاکہ ہمارا Message کہیں Incomplete (نامکمل) نہ رہ جائے۔ اتنی نگرانی ہم نے کی اور کہا جاؤ ہم ساتھ ہیں۔ ایک سفینہ بنانے کے لیے تو نگاہِ الٰہی ساتھ ہے اور جس دین کو قیامت تک کے لیے جانا ہے اُس کو اپنی نگاہوں سے الگ کرلیں۔ ہم نے رسد قائم کردی کہ نبیؐ کی نگرانی ہوتی رہے۔

تو اَب آپ نے دیکھا کہ جب نبیؐ کو کوئی پیغام دیا جاتا ہے تو اُس کی بھی نگرانی کی جاتی ہے، حفاظت ہم کریں گے گھبرانا نہیں۔ یہی وہ منزل ہے کہ جہاں جو بھی پیغام دیا گیا ہو اُس کے لیے ارشاد ہوا۔ سورۂ مائدہ میں:

"يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ" (سورۂ مائدہ آیت ۶۷)

"اے رسولؐ! جو کچھ تمھارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے (کہا گیا ہے) اُس کو پہنچا دو، اور اگر نہیں پہنچایا تو گویا تم نے کارِ رسالت انجام نہیں دیا۔ اور اللہ تم کو بچائے گا انسانوں سے۔"

تو معصوم وہ جو خود بچا رہے، معصوم وہ جسے انسانوں سے بھی بچایا جائے، جو کسی کی زد پہ نہ آئے۔ تیر و تبر کی نہیں، کسی کی بداخلاقی، کسی کی بدخُلقی، کسی کی بدفکری، کسی کی بدنظری اُس ذات تک نہ پہنچ سکے۔

معصوم وہ ہے کہ اگر میں یہ سوچوں کہ نہیں اُنھوں نے تو غلطی کی تھی مگر معصوم وہ ہے کہ: " وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ "....

" کہ میری فکر وہاں پہنچ ہی نہیں سکتی۔" آدمی کو آدمی نقصان ہی جب پہنچاتا ہے، جب کوئی کسی سے یہ کہے کہ تم غلط کہتے ہو۔ تو وہ بگڑ جاتا ہے۔ مگر یہاں اس طرح سے بچا کے رکھا کہ آپ کی فکرِ غلط وہاں نہیں پہنچتی۔ دامنِ تطہیر اتنا بلند ہے کہ وہاں فکرِ غلط نہیں پہنچتی۔

تو آیت میں بیچ کا ایک ٹکڑا تھا کہ " جو کچھ کہا گیا وہ پہنچا دو"۔ جو بھی پیغام دیا، نماز کا دیا، روزے کا دیا، جو بھی پیغام دیا وہ پہنچا دو اور اگر نہ پہنچایا تو رسالت کا حق ادا نہیں ہوا۔ تو اگر آیۂ دُرود آئے اور نبیؐ یہ نہ بتلائیں کہ دُرود کیا ہے، اگر آیۂ مودّت آئے اور نبیؐ یہ نہ بتلائیں کہ کس کی مودّت، اگر آیۂ صدقہ آئے اور نبیؐ یہ نہ بتلائیں کہ کس پر صدقہ حرام ہے اگر آیۂ مباہلہ آئے اور نبیؐ کہہ دیں کہ میں تو گھر میں بیٹھا ہوں تم جاؤ بچّوں کو لے کر، اور اسی طرح اگر آیۂ جہاد آئے اور پیغمبرؐ کہیں کہ جس کو جانا ہے وہ جائے یہ حکم آیا ہے۔ تو پھر کیا ہو گا؟ " فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَہٗ " یعنی " رسالت کا حق ادا نہیں کیا آپؐ نے۔" رسالت کا حق تو اُسی وقت ادا ہوتا ہے کہ جب آیت آئے اور عمل کر کے دکھلا دیا جائے۔ اسی واسطے جب جب آیت آئی تو عمل کر کے دکھلایا۔ اب اختلاف جو بہت سی چیزوں میں آیا وہ یہ آیا کہ عمل کیا کہ نہیں کیا؟

تیرہ سو برس گذر گئے یہ ٹٹولتے ٹٹولتے کہ اِس آیت کے بعد کیا کیا؟ اگر ایک مرتبہ بھی معلوم ہو جائے، پڑھنے کا موقع ملے تو پھر کُریدنے کی کیا ضرورت ہے۔ ۴۰۵ھ میں مرنے والے صاحبِ مستدرک "حاکم" نے اپنی کتاب میں صحیحین کے راویوں سے روایت کرتے ہوئے لکھا کہ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ آیۂ تطہیر نازل ہوئی تو حسنؑ وحسینؑ وفاطمہؑ وعلیؑ کو چادر میں لے کر کہا کہ پروردگار! یہ میرے اہلِ بیت ہیں، تو مَلَک نے پکار کے کہا:

" اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۚ (سورۂ احزاب آیت ۳۳)

ترجمہ: " بیشک اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے اہلِ بیتِ (رسولؐ) کہ وہ تم سے ہر قسم کے رجس کو دور ہی رکھے اور تمھیں اسی طرح طاہر رکھے جو طہارت کا حق ہے۔ "

تو یہ مستدرک میں موجود ہے۔ اب اور کیا کُریدنا ہے، آیت آئی اور عمل ہو گیا یعنی سمجھانا نہیں ہے، بلکہ عمل کر کے دکھلانا ہے۔ بالکل اُسی طرح آیۂ مودّت نازل ہوئی، بتلایا کہ دیکھو اِن کی مودّت واجب ہے۔ تمام علمائے اِسلام نے اور تمام فقہاء نے لکھا: جب آیۂ مباہلہ آئی تو مفسّرین نے لکھا اور شیخ الاسلام مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی اپنے تفسیرِ قرآن کے حاشیے میں لکھا کہ "سوا ان کے کوئی نہیں گیا۔" جب اتنی باتیں سمجھ میں آ گئیں تو پھر چلو کہ وہ نبیؐ کہ جس پر نگاہِ حق ہے وہ اقرباء پروری کرے؟ وہ اپنے بچّوں کے لیے یہ سب کچھ کرے؟ نبیؐ کی دور کی نگاہ یہ جان رہی تھی کہ آج میں ایک ایک منزل پر عمل کر کے دکھلا رہا ہوں، مگر میرے مرنے کے بعد یہی میری بیٹی میری قبر پہ آ کر فریاد کرنے والی ہے۔ تطہیر میں لے لیا، مباہلہ میں ساتھ لے گئے، اِنکی

مودّت واجب قرار دے دی، مگر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ میری قبر پہ آکے کہے گی کہ: "بابا! آپ کے بعد مجھ پر وہ مصیبتیں پڑیں کہ اگر وہ روزہائے روشن پہ پڑتیں تو وہ شبِ تار ہو جاتے۔ نبیؐ کو علم تھا۔

نگاہِ نبوّت جو قیامت تک دیکھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ: "نبیؐ نے کہا اپنی دونوں انگلیوں کو ملا کر، کہ "میں اور قیامت یوں ساتھ ساتھ جا رہے ہیں۔" جو یہ کہے کہ "قیامت کے دن میں حوضِ کوثر پہ کھڑا ہوں گا اور لوگ جوق بعد جوق جائیں گے، ملائکہ کسی پہ عذاب کریں گے تو میں کہوں گا: ارے یہ تو میرے ساتھ تھے، تو ملائکہ جواب دیں گے، آپؐ کو نہیں معلوم کہ انھوں نے کیا کیا؟ یہ صحیح بخاری میں تین مقامات پر ہے۔ یعنی جو قیامت کو بھی اس طرح سے دیکھے کہ جیسے آج، جیسے ابھی۔ جو قیامت کو اس طرح سے دیکھے کہ جیسے آپ دیوار پہ کھڑے ہو کر اُدھر بھی دیکھیں اور اِدھر بھی دیکھیں۔ تو نبیؐ " دَنیٰ فَتَدَلّٰی " کی منزل سے دنیا کو بھی اور آخرت کو بھی دیکھ رہا تھا، تو قیامت تک دیکھنے والا ۶۰ھ کو نہیں دیکھ سکتا کیا؟ دیکھا اور جب وقتِ رحلت حسینؑ آئے تو کہا۔۔۔

"بیٹا! میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرے سر کو یزیدؑ کے پاس تحفۃً لے جا رہے ہیں۔"

اِس کے معنی یہ ہیں کہ حسینؑ کہ جس کو مِنّیتؑ کی منزل دی کہ جس کے بارے میں کہا: "حُسَیْنٌ مِّنِّیْ وَ اَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ" اس کے لیے کہا کہ تیرا سر تحفۃً جا رہا ہے۔ تو وہ سرِ حسینؑ نہیں گیا عزیزو، خود رسولؐ گئے وہ رسولؐ کا سر گیا تو ایسی منزل پر پہلے سرکارِ رسالت کو سمجھو، اُن تمام آیات کو دیکھو کہ جن میں عصمتِ رسولؐ پر گفتگو ہے اور اس کے بعد عملِ رسولؐ کو دیکھو احادیث کی کتابوں سے دیکھو، صحیح بخاری میں دیکھو، صحیح مسلم میں دیکھو، مستدرک حاکم

میں دیکھو، امام احمد ابنِ حنبل کی ضخیم مُسند کی جلدوں میں دیکھو کہ کیا کہا۔:

"بیٹی زہراؑ! تو میرے دل کا ٹکڑا ہے، جس نے تجھے اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی۔"

اور صحیح بخاری میں تو یہ ہے کہ "جس نے تجھ کو غضبناک کیا اُس نے مجھ کو غضبناک کیا۔"

اسی کو مستدرک نے بھی لکھا۔ کیا بیٹی جان کر یہ کہا، کیا خدیجہؑ کی اولاد جان کر یہ کہا، یا یہ جان کر، کہ اللہ کی بھی مرضی یہی ہے۔ تو جب اسلام پہ وقت آئے گا تو یہی گھرانہ ہوگا جو آگے آئے گا۔ اگر اسلام میں فقط رسولؐ کے بعد کامیاب شاہیاں ہوتیں، شہنشاہیاں ہوتیں، Empire یہ Empire درست ہوتے۔ جیسے کہ ہوئے، اور اگر اسلام کے کسی گوشے میں درد کا یہ پہلو نہ ہوتا جو پہلو کربلا سے آیا تو آج اسلام کا کیا حال ہوتا؟ شاہی مجلس کا موضوع نہیں ہے، شاہی ہمارے تذکرے کا عنوان نہیں ہے۔ اس لیے کہ سیاست سے ہم غیر مربوط ہیں، ہمارا عنوان حفظِ اسلام ہے، حفظِ دین ہے اور حفاظتِ دین ہے اور حفاظتِ دین کے لیے اسلام میں ایک گوشہ لازم تھا جو گوشہ محیط ہو جائے پورے اسلام کے باب پر اور وہ گوشہ تھا "کربلا" جہاں سے درد اور درد کے ساتھ پیغام ملا۔

عزیزو! یاد رکھو کہ اگر کربلا نہ ہو تو اسلام کا تصوّر کچھ اور ہوگا۔ یعنی اسلام منفی کربلا، تو کچھ نہیں۔ یعنی اسلام (منفی) کربلا، تو بچا کچھ بھی نہیں۔ یعنی اسلام کربلا ہے اور کربلا اسلام ہے، تو ان باتوں کو سمجھنے کے لیے دیکھو کربلا اور محرّم کی ساتویں کو اتنا بڑا مجمع یہاں ہے اور کن کن راستوں سے گزرتے ہوں گے آپ اور ہر راستے پر یہ کس کے نام کی سبیلیں لگی ہیں، یہ کس کی یاد میں سبیلیں لگی ہیں، یہ ہے معجزہ کربلا کا، کیا کوئی اور ہے؟ کیا کسی بادشاہ کے نام پر ہے

کسی حکمراں کے نام سے ہے، کسی گورنر کے نام سے ہے۔ ایک اور بس ایک ہی آواز "سبیلِ حسینؑ" پیاسوں کی، کربلا والوں کی سبیل۔

تو میری گذارش یہ ہے کہ آپ کسی مکتبِ فکر کے سہی اور وہ کتنی چھوٹی سبیل سہی، اگر سبیل پر سے گذرو تو اُس کو حقارت سے نہ دیکھو، ممکن ہے کہ کہیں کوئی بی بی کھڑی ہو، پانی پیو پانی۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔"
"اور ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندہ رکھا ہے۔" پانی وہ لاقیمت شے ہے کہ اگر کوئی کسی سے مانگے تو آنِ واحد کے لیے بھی بار نہ ہو، چہ جائیکہ اگر باپ سے بیٹا کہے "بابا! پانی" تو وہ باپ کتنا مظلوم ہوگا جو یہ جواب دے "کیا کروں علی اکبرؑ!" ساتویں محرم پانی بند ہوگیا۔ آج ایک ایک سبیل کے پاس سیدانی جاتی ہوگی کہ میرے بچّے کے نام کی سبیل ہے۔ پانی زندگی ہے پانی حیات ہے۔ دنیا میں کہیں بھی تاریخ نے ایسا سانحہ پیش نہیں کیا ہوگا کہ اس طرح سے پانی سے محروم کیا جائے۔ چھوٹی بچّی، تین برس کا سن وہ ایک خیمے سے دوسرے خیمے میں جاتی ہے کہتی ہے پھوپھی اماں! پانی، پھر دوسرے خیمے میں جاتی ہے چچی جان! پانی۔ پھر تیسرے خیمے میں جاتی ہے کہتی ہے بھائی! پانی۔ اور جب کہیں پانی نہیں ملتا تو ایک مرتبہ چُپ ہو جاتی ہے۔ تو ایسے میں چاہنے والا چچا آتا ہے اور کہتا ہے "سکینہؑ! بہت پیاسی ہو" کہا، ہاں چچا جان بہت پیاس لگی ہے۔ کہا بیٹی جا کے ایک مشک تو لے کے آؤ۔" سکینہؑ مشک لے کے آئیں۔ تو سکینہؑ کو گود میں اُٹھایا، ہاتھ میں مشک لی خیمے کے پردے کو اُٹھایا، حسینؑ نے دیکھا اور دیکھ کے کہا۔ عبّاسؑ میں سمجھ گیا تمہارا مطلب۔ اللہ کبھی کسی کو اس طرح سے پیاسا نہ رکھے۔ حسینؑ نے کہا عبّاسؑ! تم اپنے سفارشی کو لائے ہو۔ کہا، سکینہؑ! کیا چاہتی ہو؟ تو سکینہؑ نے کہا کہ "بابا میں بہت پیاسی ہوں اور چچا کہتے تھے پانی لاؤں گا۔ تو رو کے کہنے لگے بیٹی تیرا چچا پھر نہیں آئے گا بیٹی"۔۔۔ تیرا چچا اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔

شعرائے اُردو اور عشقِ علیؑ

ایک یادگار صحیفہ

الحاج علّامہ سیّد ضمیر اختر نقویؒ

چودہ سو برس میں مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کو شاعروں نے جو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے، اس ذخیرے کا انتخاب اور تجزیاتی مطالعہ

۸۰۰ صفحات کی ضخیم کتاب آپ کے مطالعہ کیلئے شائع ہوگئی ہے۔

ناشر

مرکزِ علومِ اسلامیہ

مجلسِ ہشتم

۱۔ اللہ نے علم کی وجہ سے انبیاءؑ کو فضیلت عطا کی۔

۲۔ نبیؑ اس علم کا حامل ہوتا ہے کہ جس میں اِمکانِ خطا نہیں۔

۳۔ علم سے متعلّق قرآن میں آیات۔

۴۔ علمِ قرآن نے مسیحیّت کی لاج رکھ لی۔

۵۔ شبِ قدر میں نزولِ علمِ الٰہی ہوتا ہے۔ سلسلۂ علم رُکا نہیں ہے۔

۶۔ نہج البلاغہ اور علم۔

۷۔ دین کا کام جمہور سے نہیں، وحی سے چلتا ہے۔

۸۔ قرآن بھی علم ہے اور بیان بھی علم ہے۔

۹۔ خیبر کی "حدیثِ رأیت" بیان ہے۔

۱۰۔ اِسلام کے علمبردار اور کلامِ میر انیسؒ۔

۱۱۔ عظمتِ عبّاسؑ، حسینؑ کی نظر میں۔

عشرۂ محرّم الحرام سنہ ۱۳۹۰ھ / سنہ ۱۹۷۰ء نشتر پارک کراچی
۸ محرّم ۱۷ مارچ

مجلسِ ہشتم

"علمِ معصومؑ" کے عنوان پر آپ آٹھویں تقریر سماعت فرما رہے ہیں

عنوان کو سننے کے بعد ایک سوال جو آپ کے ذہن میں آسکتا ہے وہ یہ ہے کہ علمِ معصوم کے مفہوم میں ایک معنٰی یہ بھی پیدا ہوسکتے ہیں کہ کوئی علم ایسا بھی ہوسکتا ہے بظاہر علم معلوم ہو مگر مغالطہ ہو۔ علم معصوم ہی کے عنوان سے آپ یہ سمجھیں گے کہ ممکن ہے کچھ علوم ایسے بھی ہوں جو مسلسل ارتقار کے عالم میں ہوں۔ گذشتہ زمانے کے مفکّر کی ایک غلطی کو آنے والا مفکّر بتلائے، اُس کی اصلاح کرے اور اس کاروان کو لے کر آگے بڑھ جائے۔ چنانچہ تاریخ فلسفہ اس بات پر شاہد ہے کہ ہر ایک فلسفی کے متعلق آنے والے فلسفی نے کہا کہ غلطی یہاں کی تھی، یہ ہونا چاہیے تھا "علمِ معصوم" سے میری مراد یہ ہے کہ وہ علم جو خالق کی طرف سے آئے جس میں نہ خطا کا امکان ہو نہ تبدیلی کا امکان ہو، نہ اُس زمانے کے تغیّر سے متغیّر ہوجائے، نہ وہ زمانے کے فنا ہونے سے فانی ہوجائے، بلکہ وہ علم کائنات کے ساتھ ساتھ چلے جب تک خدا چاہے وہ علم رہے اور اسی علم کی بدولت انسانیت ہمیشہ ہدایت پاتی رہے۔ یہ علم ہر دور میں ذاتِ واجب نے چُن چُن کر اپنے بندوں کو دیا۔

"وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝"

(سورہ ۴۴ دخان آیت ۳۲)

" اور ہم نے اُنھیں پسند (برگزیدہ) کیا جان بوجھ کر تمام عالمین پر "

(یعنی ہم نے) عالمین پر فضیلت دی تو علم ہی کی وجہ سے فضیلت دی سلطنتوں

کی وجہ سے نہیں، دولتوں کی وجہ سے نہیں، بلکہ علم دیا اور علم کی وجہ سے اُن کو فضیلت دی اور اسی منزل پہ ارشاد ہوا :

" وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا " (سورۂ ۲۷ نمل آیت ۱۵)

" اور ہم نے داؤدؑ و سلیمانؑ کو علم دیا "

اور اسی مقام پہ ارشاد ہوا کہ : " ہم نے مریمؑ کے بیٹے عیسٰیؑ کو علم دیا۔"

" اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ .... (سورۂ ۵ مائدہ آیت ۱۱۰)

" جب اللہ نے کہا اے مریمؑ کے فرزند عیسٰی ! میری اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر اور تمھاری والدہ پر کی گئی ، جب میں نے روح القدس سے تمھاری مدد فرمائی ، کہ ، تم لوگوں سے گہوارے میں اور ادھیڑ عمری میں یکساں کلام کرتے تھے اور جب میں نے تمھیں کتاب و حکمت اور توریت اور انجیل کا علم دیا۔ "

اسی منزل پر حضرتِ خضرؑ کے بارے میں ارشاد ہوا :

" اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ (سورۂ ۱۸ کہف آیت ۶۵)

" ہم نے اُس کو اپنی (جناب) نزدیکی سے رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اُس کو اپنی بارگاہ سے علم عطا کیا۔ "

نبی بغیرِ علم نہیں ، یہ نبی کی وہ خصوصیتِ خاص اور کیفیتِ خاصّہ ہے

جو نبی کو حاصل ہے ، وہ علم ہی سے ہے ۔ یعنی نبی اس علم کا حامل ہوتا ہے کہ جس میں امکانِ خطا نہیں ہے ۔

میرے مولا کا خطبہ جو مولا نے کوفے کے منبر سے ارشاد فرمایا :

" لَمْ يُخْلِ اللهُ سُبْحَانَهُ خَلْقَهُ مِنْ نَبِيٍّ مُّرْسَلٍ اَوْ كِتَابٍ مُّنْزَلٍ اَوْ حُجَّةٍ لَّازِمَةٍ اَوْ مَحَجَّةٍ قَائِمَةٍ

(نہج البلاغہ موضوعی طبع تہران ص ۲۰۱)

" اللہ سبحانہٗ نے کبھی کسی زمانے کو نہ حجّتِ لازمہ سے خالی رکھا نہ نبی و رسولوں سے خالی رکھا نہ کتاب سے اور نہ حجتِ قائمہ سے خالی رکھا ۔ "

حُجّت کے متعلق کہا جا چکا ہے کہ :

" اَلْحُجَّةُ بَيْنَ الْعَبْدِ وَ الْمَعْبُوْدِ وَ هُوَ الْعَقْلُ "

" عبد اور معبود کے درمیان جو حجّت ہے وہ عقل ہے ۔ "

" اَلْحُجَّةُ بَيْنَ الْمَعْبُوْدِ وَ الْعَبْدِ وَ هُوَ الرَّسُوْل "

" معبود اور عبد کے درمیان جو حجّت ہے ، وہ رسول ہے "

تو کسی زمانے میں کوئی ایسا وقت نہیں گذرا کہ جبکہ حجّتوں سے زمانہ خالی رہے ۔ اسی لیے ارشاد فرمایا ___ امیر المومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں :

" وَ مَا بَرِحَ لِلّٰهِ ، عَزَّتْ اٰلَاؤُهُ ، فِي الْبُرْهَةِ بَعْدَ الْبُرْهَةِ ، وَ فِيْ اَزْمَانِ الْفَتَرَاتِ ، عِبَادٌ نَاجَاهُمْ فِيْ فِكْرِهِمْ ، وَ كَلَّمَهُمْ فِيْ ذَاتِ عُقُوْلِهِمْ " (نہج البلاغہ موضوعی طبع تہران ص ۶۳)

" اللہ ہی کے لیے ہر دور میں ایسے بندے رہتے ہیں کہ اللہ نے تنہائی میں اُن کی فکر سے باتیں کی ہیں اور اللہ نے ان کی عقل سے کلام کیا ہے ۔ "

تو ایسے بندوں کا زمانۂ فترت میں ہونا ضروری ہے کہ ذاتِ واجب ـــ ہدایت کے لیے کسی کی فکر کو، کسی کی عقل کو اپنے کلام کا اور اپنے ارشادات کا مظہر بنائے، آئینہ بنائے۔

اسی طرح سے صدیاں گزریں، اسی طرح سے قرن گزرے، اسی طرح سے باپ دادا گئے اور آنے والے آئے اور اسی طرح سے آئے:

" رُسُلًا لَّا تُقَصِّرُ بِهِمْ قِلَّةُ عَدَدِهِمْ وَلَا كَثْرَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ لَهُمْ مِّنْ سَابِقٍ سُمِّيَ لَهُ مَنْ بَعْدَهُ اَوْ غَابِرٍ عَرَّفَهُ مَنْ قَبْلَهُ عَلٰى ذٰلِكَ نَسَلَتِ الْقُرُوْنُ وَمَضَتِ الدُّهُوْرُ وَسَلَفَتِ الْاٰبَاءُ وَخَلَفَتِ الْاَبْنَاءُ "

بعد کا آنے والا یہ بتلاتا تھا کہ مجھ سے پہلے کون آیا، کبھی ایسا ہوتا تھا کہ پہلے آنے والا یہ بتلا کے جاتا تھا کہ بعد میں کون آنے والا ہے۔"

اس طرح سے یہ سلسلۂ حجت آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ کرامتِ الٰہی ختمی مرتبت پہ ختم ہوئی اور اس منزل پہ بھی ختمی مرتبت کے لیے۔ سورۂ صف میں ارشاد ہوا:

" وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ "

(سورۂ ۶۱ صف آیت ۶)

حضرت عیسیٰؑ نے حضورؐ کے لیے کہا " اور (میں) بشارت دینے والا ہوں اُس رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمدؐ ہوگا۔"

تو جانے والے نے خبر دی کہ آنے والا کون ہے، اور آنے والے نے خبر دی کہ جانے والا کون ہے۔ تو یہ ایک ایسا سلسلۂ علم تھا کہ جہاں کسی نے کسی کے علم پر نکتہ چینی نہیں کی؛ یعنی جہاں کسی نے کسی گذشتہ ہادی کے علم پر نکتہ چینی نہیں کی۔ یہاں تو ہدایت کرنے والے نے اپنی آراء کو تضاد کے عالم میں متضاد

بنا کر کبھی پیش نہیں کیا بلکہ ایک نے دوسرے کا ساتھ دیا، تو پتہ چلا ایک سلسلہ ہے اور ایک زنجیر ہے جہاں علم، عقل، دانش، بینش، ہوش، آگاہی یہ سب کے سب ایک ہی راہ پر گامزن ہیں۔ منزل معیّن ہے اور کبھی کسی مقام پر یہ نہیں ہے کہ فلسفیوں کی طرح سے یا دوسرے علماء کی طرح ایک دوسرے پر نکتہ چینی کریں۔ ایک نے دوسرے کی غیبت نہیں کی، ایک نے دوسرے کی بُرائی نہیں کی۔ بس یہی تو فرق ہے قرآن میں اور تمام آسمانی صحیفوں میں کہ آج جو توریت مسخ شدہ حالت میں ہے۔ اس میں حضرت داؤدؑ پر الزام ہے بدترین اخلاقی کیفیّت کا۔ آج جو توریت آپ کے ہاتھ میں ہے اُس میں انبیاءؑ پر الزام ہے کسی پر چوری کا الزام ہے، کسی پر غیبت کا الزام ہے، کسی پر مال کے اُٹھالے جانے پر الزام ہے، کسی پر اِس سے اور زیادہ الزام، یہاں تک کہ کوفے کے منبر پر حضرت علی علیہ السّلام کو یہ کہنا پڑا، اگر کسی نے میرے عہدِ حکومت میں توریت کو پڑھنے کی کوشش کی اس لیے کہ انبیاءؑ کی توہین ہو، اُس پر حد جاری کروں گا۔ محافظِ (عصمتِ) انبیائے ماسبق ہے ولی بھی اور قرآن بھی۔ قرآن نے انبیاءؑ کی جو عزّت رکھ لی، خدا کی قسم ـــ قرآن نے عیسائیت اور پاپائیت کی جتنی مدد کی ہے، جتنی مدد کی ہے گرجا کی، شاید دنیا کی کسی طاقت نے اتنی مدد مسیحیّت کی نہیں کی ہے، اِس لیے کہ سارے یہودیوں نے مریمؑ پر زنا کی تہمت لگا دی تھی یہ قرآن ہی تھا جس نے آگے بڑھ کر کہا:

" يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَاۗءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ " (سورۂ ۳ آلِ عمران آیت ۴۲)

"اے مریمؑ! اللہ نے بلاشبہ تم کو مصطفےٰ کیا، اور (اللہ نے) تم کو طاہر کیا اور (اللہ نے) تم کو عالمین کی عورتوں پر برگزیدہ کیا۔"

مسیحیّت کی لاج رکھ لی قرآن نے، اور مسیحیّت کے ماننے والے مسلمانوں کی ضد پر یہودیوں کی مدد کر رہے ہیں، اُن یہودیوں کی جنھوں نے مسیحیت کو ختم کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن قرآن نے سیاسی نکتۂ نگاہ سے حفاظت نہیں کی تھی، بلکہ قرآن جان رہا تھا کہ مریمؑ طاہرہ ہیں، عیسیٰؑ نبی ہیں، زکریاؑ نبی ہیں، یحییٰؑ نبی ہیں۔

اور اس کے بعد آپ (OLD TESTAMENT) ۔ اور (NEW TESTAMENT) چاروں ابواب کو کھول کر دیکھیں گے تو پتہ چلے گا کہ حضرت مریمؑ کے متعلق کیا گفتگو کی جاتی ہے اور کس طرح سے عیسیٰؑ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ پوری بائبل میں ایک بھی لفظ عیسیٰؑ کے شایانِ شان نہیں ہے قرآن نے نہ فقط انبیاء کی عزّت رکھی، بلکہ آسمانی صُحف کو اُسی طرح سے پیش کیا کہ اگر وہ سچائی اور صداقت پہ باقی رہتے تو قرآن یہ کہتا، ہم میں توریت بھی ہے انجیل بھی ہے، زبور بھی ہے، یہ ایک صحیفہ ہے جو مجموعۂ صُحفِ الٰہی ہے۔

قرآن نے کہا یہ کیسے صحیفے ہیں:۔

"فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝" (سورۂ عبس آیت ۱۳ تا ۱۶)

" کرامت والے صحیفوں میں، بلند رتبہ اور پاک (ایسے) لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے جو کرامت والے نیکوکار ہیں۔"

قرآن نے آسمانی صحیفوں کی طہارت کا اعلان کیا، قرآن نے انبیاء کی عصمت کا اعلان کیا۔ بہر صورت ایک سلسلے کو بتایا کہ یہاں سے یہاں تلک یہ سلسلہ آیا، ــــــ

اب ہم مولائے کائنات امیرالمومنین علیہ السلام کے اُس خطبے پر واپس

آجائیں ـــــــ یہاں تک کہ ختمی مرتبتؐ تشریف لائے، اس لیے آئے کہ اُس کا وعدہ پورا ہو جائے، نبوّت درجۂ تمام پر چلی جائے، اس کے بعد ارشاد فرمایا، کون نبی؟ اس کا گھرانہ بہترین گھرانہ:

" عِتْرَتُهُ خَيْرُ الْعِتَرِ ، وَشَجَرَتُهُ خَيْرُ الشَّجَرِ ، نَبَتَتْ فِي حَرَمٍ ، وَبَسَقَتْ فِي كَرَمٍ "

" اُس کی عترت، بہترین عترت، اُس کا درخت بہترین شجر، جو حرم میں اُگایا گیا اور کرم کے سائے میں پروان چڑھا۔"

" لَهَا فُرُوعٌ طِوَالٌ ، وَثَمَرٌ لَا يُنَالُ "

اُس کی ڈالیاں بہت طویل ہیں (محشر تک جا رہی ہیں) اور اُس میں جو پھل لگے ہوئے ہیں کسی کی مجال نہیں ہے کہ اُسے توڑے۔"

شجرِ محمدیؐ میں جو پھل لگے ہوئے ہیں کسی کی مجال نہیں کہ اُسے کوئی توڑے، قتل کرنا اور ہے، ثمر کی حقیقت اپنے مقام پر باقی ہے، قتل کرنے سے ثمر، شجر سے الگ نہیں ہوتا، ثمر ختم نہیں ہوتا، قتل کی کوشش سے، ایک بات آپ سے پوچھوں، ملّتِ اسلامیہ آج بتلائے، اللہ اور رسولؐ کو گواہ کر کے بتلائے پیغمبرؐ کا دشمن ابتر ہے۔ سورہ آپ کو یاد ہے:

" اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ " (سورۂ ۱۰۸، کوثر)

" بیشک ہم نے تم کو کوثر عطا کیا، پس اپنے ربّ کے لیے نماز ادا کرو اور قربانی دو۔ بیشک آپ کا دشمن ابتر ہے۔"

تیرا دشمن دُم بُریدہ ہے۔ تیرا دشمن بے خلف ہے، تیرے دشمن کا کوئی تسلسل نہیں ہے۔ نہ فکر کا تسلسل ہے، نہ اولاد کا تسلسل ہے، نہ نسلوں کا تسلسل ہے

مطلب یہ ہے کہ پیغمبرؐ ابتر نہیں ہیں۔ ابتر کے کیا معنیٰ ہیں۔ جس کا سلسلہ نہ ہو۔ پیغمبرؐ کا دشمن ابتر ہے، پیغمبرؐ ابتر نہیں ہیں اس لیے کہ ایک بیٹی ہے بیٹی کی اولاد چلی تو بیٹی کی اولاد اَبنَاءَنَا بن کے چلی، محشر تک جائیگی۔ یہاں سلسلہ صحیح، حق، اور ان کے علاوہ میں یہ تو نہیں کہتا کہ سلسلے کیسے آئے مگر یہ کہوں گا کہ نبیؐ کا دشمن ہے تو وہ ابتر ہے۔

نبیؐ کے اولادِ نرینہ زندہ نہ رہتی تھی تو لوگ آکر کہتے تھے کہ یہ تو لاولد ہے، یہ محروم ہے، یہ تو ابتر ہے۔ عرب میں "ابتر" اُس کو کہتے ہیں جس کے بیٹا نہ ہو، پیغمبرؐ رنجیدہ ہوئے، آواز آئی، نہیں، ہم نے کوثر عطا کردیا، کوثر دیا، خیرِ کثیر دیا، سلسلۂ اولاد دے دیا، اس سلسلے کو محشر تک جانا ہے، یہ سلسلہ ختمی مرتبتؐ پر رُکا نہیں، یہ آگے بڑھتا چلا، یہ کہاں ہے، کس مقام پر ہے، مجھے نہیں معلوم۔ لیکن قرآن کے پڑھنے والوں کو سورۂ قدر یاد ہے:

"تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۙ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۧ"

"ملائکہ نازل ہوتے ہیں امرِ الٰہی کو لیکر۔ یعنی علم معصوم جاری ہے علم معصوم مسلسل ہے، مَلَک پہاڑوں پر نہیں آتے، دریاؤں پر نہیں آتے مَلَک خانۂ کعبہ کی چھت پر نہیں آتے، لوگوں نے تو یہ کہا کہ کبھی کبھی القاء ہوتا ہے، مگر آج تک کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ شبِ قدر میں مجھ پر فرشتے آتے ہیں۔ اور ادھر قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ ہر سال شبِ قدر آتی ہے، ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔ اپنے بندوں میں جن کے درجوں کو بلند کرتا ہے اُس پر ملائکہ کو نازل کرتا ہے۔

" رَفِيۡعُ الدَّرَجٰتِ ذُوالۡعَرۡشِ ۚ يُلۡقِى الرُّوۡحَ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ۔۔ (سورۂ ۴۰ مومن آیت ۱۵)

درجوں کا بلند کرنے والا، مالکِ عرش، اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے (اُس پر) روح القا کرتا ہے (وحی نازل فرماتا ہے)۔

اِس پوری کائنات میں کوئی نہ کوئی بندہ اللہ کا پسندیدہ ضرور ہے اگر انکار کر دیا تو وجودِ باری سے انکار ہوگا۔ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ علم میں مسلسل ہے وہ۔ علمِ معصوم آگے بڑھ رہا ہے۔ اِس منزل پر غور کیجیے، ہر سال شبِ قدر آتی ہے، شبِ قدر میں ملائکہ نازل ہوتے ہیں، ملائکہ کسی عبد پر آتے ہیں، پہاڑوں پر نازل نہیں ہوتے، عبد کا وجود لازم ہے۔ وہ مُرشد سہی وہ عالم سہی، وہ پیر سہی، وہ قُطب سہی، وہ ابدال سہی، وہ ولی سہی، مگر ایک بات کو طے کرنا پڑے گا۔ وہ یہ کہ ولی کون ہوتا ہے؟ ولی کی تعریف سُن لیجیے

" اِنَّ اللّٰهَ لَا يَتَّخِذُ جَاهِلًا وَّلِيًّا "

" بیشک اللہ جاہل کو ولی نہیں بناتا "

گفتگو علم کی ہے، ذاتِ واجب عینِ علم ہے، ولایت کے معنٰی لغت میں ہیں " قُربت "۔! ولایت کے معنٰی ہیں تقرّب، ولایت کے معنٰی ہیں نزدیکی، ولی وہ ہے جو نزدیک ہو، عالم کے قریب جاہل نہیں رہ سکتا، اس لیے خدا کسی جاہل کو ولی نہیں بناتا۔ اب جو کوئی بھی ولی ہو، قطب ہو، ابدال ہو، جو علم کا مرکز ہو وہ قبول کا مادّہ رکھتا ہو۔ (EFFICIENCY) یعنی قبول کرنے کا مادّہ رکھتا ہو۔ اُدھر سے عطا ہو اِدھر سے قبول ـــــ اس علم کے دور میں زمانہ حجّت سے خالی نہیں ہے، محی الدّین عربی نے "فتوحاتِ مکّی"

میں کہا کہ " وجودِ حجّت کا اگر کوئی اِنکار کر دے تو وہ عقل سے عاری ہے"
اُنھوں نے ایک مسلسل باب قائم کیا۔ نصوص موجود ہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام
کے خطبے کی طرف پھر واپس چلیے : اور پھر سورۂ نور کی چند آیات۔
" وہ شجر بہترین شجر ہے، اُس کے ثمر کو کوئی پا نہیں سکتا"

" مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِىْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

(سورۂ ۲۴ نور آیت ۳۵)

" ایک کوکبِ دُرّی ہے جو شجرۂ مبارکہ سے مسلسل چمک رہا ہے، اللہ نے اپنی مثال دی ہے۔ میرے نور کی مثال ایک شجر ہے، اس کی مثال محراب ہے محراب میں چراغ ہے، چراغ فانوس میں ہے، وہ کوکبِ دُرّی کی طرح چمک رہا ہے، وہ کوکبِ دُرّی ایک شجرِ مبارک سے ہے، جو نہ شرقی ہے، نہ غربی قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے حالانکہ آگ نے اُسے چھوا بھی نہ ہو نور بالائے نور۔ اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے" اور وہ شجرِ مبارک کون ہے ؟ ارشاد ہوا :

" ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ ۙ تُؤْتِىْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (سورۂ ۱۴ ابراہیم آیت ۲۴-۲۵)

"کلمۂ طیّبہ کی مثال شجرۂ طیّبہ کی سی ہے، اُس کی جڑیں زمین میں مضبوط ہیں، اُس کی ڈالیاں آسمان میں ہیں ' (سلسلہ یوں جارہا ہے کہ اصل زمین میں ہے، فرع آسمان میں ہے، آپ پستی میں دیکھ رہے ہیں سلسلے کو۔) یہ درخت ہر زمانے میں پھل دیتا ہے اپنے ربّ کے حکم سے اور اللہ تو ایسی ہی مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے تاکہ تذکر ونصیحت حاصل کریں۔"

شجر ہے بے ثمر نہیں ہے، ثمر بلندیوں پر ہے، کسی کی مجال نہیں ہے جو اُس ثمر کو نقصان پہنچا سکے، کسی کی مجال نہیں ہے جو اُس ثمر کو اپنا ہدف بنا سکے۔

اب غور کیجیے، اگر شبِ قدر مسلّم ہے، پھر نزولِ مَلک لازم ہے، اور نزولِ مَلک امرِ الٰہی کے ساتھ ہے، امرِ الٰہی بغیر علم کے نہیں ہے، اُس علم کو لے کر ملائکہ آرہے ہیں، اپنے بندوں میں سے جس کو پسند کرتا ہے اُس پر نزولِ مَلک ہے، وہ کہیں ہے، وہ بندہ کہیں ہے، نظر نہیں آتا، چھپا ہوا ہے، دکھائی نہیں دیتا وجود لازم ہے۔ اِس اعتبار سے ارشاد فرمایا، دیکھو، ہمیشہ یاد رکھو کہ اللہ کے بندوں میں اُس کا ولی چھپا ہوا ہے، ولی بنانا نہیں ہے، تلاش کرنا ہے یہ مقامِ ولایت ہے۔

اب تلاش کیا اور نہیں ملا، تو آؤ سب ملکر انتخاب کریں، یہ اپنے علم کی ناکامی کا اعلان ہے، اب وہ جس منزل کے لیے چُنے، ہماری ناپختگی کا یہ عالم ہے کہ ہم کامل کو نہیں ڈھونڈھ سکتے، اِس لیے آؤ سب ملکر تلاش کریں۔ تلاش کرنے کا حق سیاست کو دیا، لیکن تلاش کو انتخاب سے بدل دیا جس کے نقشِ قدم کو ہم اپنی سجدہ گاہ سمجھتے ہیں وہ سرورِ عالم، وہ فخرِ کائنات، وہ دانائے سُبُل، وہ خیرِ رُسُل، وہ طٰہٰ، وہ یٰسٓ، وہ مُزّمّل، وہ مدّثّر،

وہ ختمِ ، وہ انسانِ کامل و اکمل جس کو دنیا ابھی تک پہچان نہ سکی ، اُس انسانِ کامل نے آیتوں کے اُترنے کے وقت چناؤ کا موقع نہیں دیا، آیتِ قُربیٰ آئی ، لوگوں کے حوالے نہیں کیا کہ تم بتاؤ جس کا انتخاب کرو اُس کی محبّت واجب ہوجائے :

" قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى " (سورہ ۴۲ شوریٰ آیت ۲۳)

لوگوں سے نہیں پوچھا ، بلکہ " کنز العمال " اور " مستدرک حاکم " دونوں کتابوں میں ہے کہ لوگوں نے پوچھا ، اللہ کے رسولؐ ! یہ قربیٰ کون ہیں ؟ ... ... ارشاد فرمایا : " یہ علیؑ اور فاطمہؑ ، حسنؑ اور حسینؑ " ۔ سبھوں نے صاف صاف لکھا ۔

آیۂ تطہیر نازل ہوئی ، لوگوں سے نہیں پوچھا کہ بتاؤ کس کو طاہر سمجھیں ؟ اپنی طرف سے اعلان کیا کہ ایک چادر لاؤ ۔ چادر میں سب کو لے لیا ، یہ میرے اہلِ بیتؑ ہیں ، میری پسند تیری پسند ہے ۔ بالکل اسی طرح صدقے کی آیت آئی کہا ، میری اولاد پر صدقہ حرام ہے قیامت تک صدقہ حرام ہے ۔

کیوں نہیں پوچھا یہ ، بات دراصل یہ ہے کہ :

" فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝

(سورہ ۳ آلِ عمران آیت ۱۵۹)

" یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تو اُن پر مہربان ہے (اُن سے باتیں بھی کرلیتا ہے)

اور اگر تجھے غصّہ ہوتا (اور بار بار تجھے اس کی تکلیف ہوتی، یہ تیرے غصّے کو دیکھ کے) تیرے نزدیک سے اُٹھ کر منتشر ہو جاتے (تیرا ساتھ چھوڑ دیتے) اس لیے اُن کو معاف کر دے، اُن کے لیے طلبِ مغفرت کر اور معاملات میں اُن سے مشورہ کر، مگر جب تو کسی بات کا عزم بالجزم کرلے تو پھر اللہ پر بھروسہ کر، بیشک اللہ توکّل کرنے والوں سے محبّت کرتا ہے۔"

صرف یہ ایک ہی مقام پر مشورے کا ذکر ہے۔ وہ بھی اس طرح سے کہ تالیفِ قلوب، غصّہ کرو گے تو چلے جائیں گے، یہ رحمتِ الٰہی ہے کہ تم اِن سے باتیں بھی کرتے ہو، تم جس بلندی سے آرہے ہو اُس کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ ایسی منزل پر جب آیت پر آیت آئی تو یہ طے کرلیا، ہم اُمّت سے پوچھیں گے نہیں کہ ساتھ ساتھ میں کون کون چلے گا، نصارٰیٔ نجران آگئے ہیں، آلِ عمران کی آیت آئی، ایک دن پہلے آیت آئی ممکن تھا سب کو بلاتے اور کہتے، یہ میرا آخری سال ہے، مسلمانو! تم بتاؤ کس کس کے بچّے ساتھ میں چلیں گے۔ کون کون عورتیں باہر آئیں گی، کون کون نفوس ساتھ چلیں گے، کسی سے پوچھا؟ لیکن مشکل تھا بچّوں کو لانا، اِس لیے کہ نصارٰیٔ نجران کے متعلّق ایک ہیبت سی بیٹھی ہوئی تھی دلوں پر، اُن کی تقدیس، اُن کے تقدّس، اُن کی طہارت کی وجہ سے دنیا سمجھتی تھی کہ یہ دعا کریں گے اور فوراً عذاب آجائے گا۔ اور یہاں یہ اعلان ہو چکا کہ علم آگیا ہے۔

اب سب انتظار میں تھے کہ اَبْنَاء میں کون آئے گا، سب اولاد والے ہیں، نِسَآء میں کون جائے گا، سب کی عورتیں ہیں، سب کے نفوس ہیں، اور جب پیغمبرؐ چلے تو اِس شان سے، دو نواسے، ایک بیٹی، ایک داماد کسی نے یہ پوچھا کہ اِن کو کیوں لے جا رہے ہو، آخر ہم بھی تو ہیں۔؟ لیکن وہاں گفتگو جمہور کی نہیں تھی، وحی کی تھی ــــــ!

وہاں گفتگو عوام سے نہیں تھی، حکمِ الٰہی سے تھی ؛ــــــ !

اشارۂ ربانی بھی تھا۔ وحی کی دو صورتیں ہیں، ایک تو وہ جو آیت بن کر آئے جو سورۃ بن کر آئے، جو وحیٔ مَتلُو قرار پائے (م۔ت۔ل۔و) وحیٔ متلو قرار پائے جو تلاوت کے لیے ہو، اور ایک وحی وہ جو اشارہ بن کر آئے، تجلّی بن کر آئے، اور نبیؐ کا دل ترجمہ کرے اور یہی وہ منزل ہے، جہاں قرآن بھی وحی ہے، بیان بھی وحی ہے۔ یہی وہ منزل ہے جسے بیان کہتے ہیں :

" اَلرَّحْمٰنُ ہ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ہ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ ہ (سورۂ ۵۵ رحمٰن آیت ۱۔۲۔۳۔۴)

بیان کے معنی سمجھانا، قرآن کے معنی احکام سمجھنا۔ قرآن بھی وحی ہے، بیان بھی وحی ہے۔ یہ نہیں کیا کہ قرآن کو اپنے ذمّے لے کر بیان کو اُمّت کے حوالے کر دیا ہو کہ اب تم سمجھاتے چلے جاؤ؛ ہماری نظر میں اسلام کی مختارِ کل ہستی ہیں، ان کا حلال قیامت تک کے لیے حلال ہے، اُن کا حرام قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ اُس نے کسی کو روکا تو اُسے قیامت تک رُک جانا چاہیے، اور اگر اُس نے کسی کو اجازت دی ہے تو پھر کوئی اُسے قیامت تک نہ روکے۔ ہمارے نزدیک مقامِ خاتم عصمتِ مطلقہ ہے ہمارے نزدیک مقامِ خاتم بجز اطاعت کے اور کچھ نہیں ہے، وہاں مشورہ نہیں ہے۔ ایک مرتبہ جب پورا لشکر لڑنے کو جا رہا تھا تو چُپ تھے، دیکھیں، جاؤ آج جاؤ، کل جاؤ؛ ایک اور دن جاؤ۔ واپس آئے تو کہا بس اب کسی اور کو اختیار نہیں ملے گا۔ اب فیصلہ میرا ہے۔ " کل عَلم دوں گا "۔ کسی سے پوچھ کر نہیں دوں گا مشاورت کی منزل پر نہیں دوں گا۔ مشورہ کر کے نہیں دوں گا؛ الیکشن یا VOTING SYSTEM سے نہیں دوں گا۔ "بخاری" نے دو مقامات پر اور "مسلم" نے تین ۳ مقامات پر لکھا ہے۔ "مستدرک" نے چھ ۶ مقامات پر لکھا ہے

"اور کنز العمال" میں مسلسل حدیثیں موجود ہیں، ایک دو کے سامنے نہیں بلکہ ہزاروں واپس آرہے تھے، اُن سب کے سامنے کہا: "کلُ عَلم مرد کو دوں گا"۔ بڑی ندامت ہو چکی، بہت شکست کھا چکے، عَلم بہت سرنگوں ہو چکا، "کلُ عَلم مرد کو دوں گا" مسلسل حملہ کرنے والا ہوگا، بھاگنے والا نہیں ہوگا"۔ بخاری میں یہ پوری حدیث موجود ہے، اور پھر اس شان سے "وہ اللہ اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہوگا۔ جاہل خدا کو دوست نہیں رکھتا، اور اب پانچویں منزل خدا اور رسولؐ اُس کو دوست رکھتے ہوں گے"۔ ایسا نہیں کہ وہ محبّت رکھے تو اُس کی سند ہی نہ ملے۔ یہ عبد و معبود کی گفتگو ہے۔ یہ عبدیّت کی منزلِ کمال ہے۔ اگر عبد کو معبود پر ناز ہے تو معبود کو عبد پر ناز ہے، "وہ اُس وقت تک واپس نہیں آئے گا جب تک کہ خدا اُس کے ہاتھوں پر فتح نہ دے دے"۔

شبلی نعمانی "سیرت النبیؐ" میں لکھتے ہیں: "رات بھر اجلّۂ صحابہ اسی فکر میں تھے کہ دیکھیں کہ یہ خوش قسمت کون ہے"۔ اور جملہ یہ تھا کہ: اکثر و بیشتر اصحاب نے یہ فرمایا کہ ہماری تو نیند اُچٹ گئی، ـــــ !"

پیغمبرؐ نے کسی سے پوچھا نہیں، "علمدار" کی تعریف ایک رات پہلے کر دی، دنیا جان لے کہ اتنی باتیں ہیں اُس میں، اب میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ لوگوں نے پہچانا نہیں ہوگا، اِس لیے کہ کرّار، غیر فرّار، خدا اُس کے ہاتھوں پر فتح دیگا، لیکن ایک ایسی شرط لگا دی کہ خدا اور رسولؐ کو وہ دوست رکھتا ہوگا، خدا و رسولؐ اُس کو دوست رکھتے ہیں۔" اِس منزل پر جب صبح ہوئی تو آواز دی "علیؑ کو بلاؤ ـــــ!! یہ ہے سلسلۂ عصمت، علیؑ صاحبِ عَلم بنے، گھوڑا حاضر ہوا۔ رکاب میں پاؤں رکھ کر سوار ہوئے، رسولؐ کی خدمت میں جھک کر تسلیم کی تو اتنا پوچھا، کب تک لڑوں؟ یہ ساری تاریخوں کے

الفاظ ہیں" نبیؐ نے ارشاد فرمایا: "یا علیؑ اُس وقت تک لڑنا جب تک یہ یہودی پکار کر نہ کہہ دیں لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ "۔!

خیبر یہودیوں کا قلعہ ہے اس کے لیے عَلَوِیّت کی ضرورت ہے ذہن میں رہے، اسی لیے بار بار اقبالؔ کا یہ شعر پڑھتا ہوں:-

دانشِ افرنگیاں غارت گری
دَیرہا خیبر شُد از بے حیدری

خیبر ہیں لیکن حیدر نہیں ہے ــــــ رسولؐ نے خیبر میں علیؑ کو عَلَم دیا، یہ رسولؐ کا عطیہ ہے، عَلَم کو علی سے کوئی چھین نہیں سکا نماز پڑھتے میں قتل کردینا اور ہے۔ کوئی نہ کہہ سکا کہ میدانِ جنگ میں ہم نے علی سے وہ عَلَم چھین لیا، عَلَم انھیں کے گھر کا ہو گیا، جعفر طیارؑ عَلَم بردار ہیں، حمزہؑ علم بردار، علیؑ علم بردار، پھر علی کا بیٹا علم بردار میر انیسؒ نے ان سب علم برداروں کو ایک مرثیے میں جمع کیا ہے:

عالم میں ہوئے چار اولوالعزم علمدار — اِک حضرتِ حمزہؑ تھے تو اِک جعفرِ طیارؑ
بعد ان کے ہوتے زیبِ عَلَم حیدرِ کرّار — عبّاسؑ اب منصب والا کا ہے مختار
کرسی کے بھی پائے سے سوا پایا ہے رُتبہ
کیا دست بہ دست اس کو یہ ہاتھ آیا ہے رُتبہ

آج محرّم کی آٹھویں تاریخ ہے، بس کل کی ایک تقریر ہی رہ جاتی ہے، پرسوں تو خاک اُڑانے کا دن ہے۔ عبّاسؑ علمبردار، بچپن سے پالا ہے حسینؑ ابن علیؑ نے، بھائی نے بھائی کو گود میں پالا ہے، حسینؑ نے عبّاسؑ کا بہت خیال رکھا ہے۔ عبّاسؑ کا نام حسینؑ نے رکھا ہے، جب عبّاسؑ پیدا ہوئے تھے حسینؑ

نے گود میں لیکر نام رکھا تھا عبّاسؑ۔ علی نے پوچھا حسینؑ! یہ نام کیوں پسند آیا؟ کہا عبّاس کے معنی ہیں بپھرا ہوا شیر ـــ عالم یہ تھا، ہر وقت چلتے، پھرتے، اُٹھتے، بیٹھتے ـــ حسینؑ پکارتے ـــ عبّاسؑ ـــ عبّاسؑ ـــ عبّاسؑ اِدھر آؤ ـــ عبّاسؑ! ناقے تیار ہوگئے؟ ـــ کہا، ہاں ـــ عبّاسؑ! بیبیاں سوار ہوگئیں؟ کہا، ہاں آقا ـــ پانی کی مشکیں ناقوں پر رکھ دی گئیں؟ ـــ کہا، ہاں آقا، عبّاسؑ! شہزادی زینبؑ جنت البقیع ہوکر آگئیں؟ ـ کہا، ہاں آقا ـــ عبّاسؑ، قافلہ چلا ـ عبّاسؑ ساتھ ـ آواز دی اور عبّاسؑ قریب آگئے، سر کو جھکا دیا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ اب یہ نام لینے کی گنجائش نہیں رہی، ـــ بس اتنا کہہ کر بیٹھ گئے ـ عبّاسؑ! میری کمر ٹوٹ گئی ـــ دو جملے اور سُن لیجیے ـــ

جب حسینؑ اتنا پکارتے تھے تو سکینہؑ بھی پکارتی تھیں، چچا عبّاسؑ! ـــ علی اکبرؑ پکارتے تھے چچا عبّاسؑ! ـــ زینبؑ پکارتی تھیں، عبّاسؑ! ـــ اُمِّ کلثومؑ پکارتی تھیں، عبّاسؑ! ـــ پورا گھر پکارتا تھا ـــ عبّاسؑ ـــ! عبّاسؑ ـــ! عبّاسؑ ـــ!

یہی وجہ ہے کہ جب عمرِ سعدؔ نے شمرؔ کو بلا کر پوچھا کہ جب تو حسینؑ کو ذبح کر رہا تھا تو حسینؑ کیا کہہ رہے تھے؟ اُس نے کہا: پہلے تو اللہ کی بارگاہ میں دعاء کی: رِضًا بِقَضَائِهٖ وَتَسْلِيمًا لِاَمْرِهٖ

اور اس کے بعد تین بار آواز دی

عبّاسؑ ـــ!، عبّاسؑ ـــ! عبّاسؑ!

مجلسِ نہم

۱۔ حکومتِ پاکستان سے شیعہ دینیات کا مطالبہ۔

۲۔ کتبِ اربعہ اور تعدادِ احادیث۔

۳۔ فقہِ جعفری کے بغیر کسی فرقے کی فقہ کو نہیں سمجھا جا سکتا۔

۴۔ مسائلِ حج مسلمانوں نے شیعوں سے سیکھے ہیں۔

۵۔ معصوم اور مجتہد میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔

۶۔ "صحیفۂ کاملہ" علم ہے۔

۷۔ علم کو عالِم سے لیجئے، غیرِ عالِم سے عِلم لینا ظلم ہے۔

۸۔ حسینؑ ابنِ علیؑ کا عِلمِ قرآن۔

۹۔ امام حسین علیہ السّلام کی آخری رُخصت۔

عشرۂ محرّم الحرام ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء نشتر پارک

۹ محرّم ——— ۱۸ مارچ

مجلسِ نہم

"علمِ معصوم" کے عنوان سے یہ نویں تقریر آپ سماعت فرمارہے ہیں مجلسیں مذہبی ہیں یہ کوئی سیاسی اجلاس نہیں ہے کہ اس کو درہم و برہم کیا جائے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے، فائدہ تو وہاں پہنچتا ہے جہاں درہم و برہم کیا اور مجمع ہٹ گیا، یہاں درہم و برہم کرنے کا نتیجہ اُلٹا ہوگا۔ آج ہو یا کل حکومت ہمیشہ اس بات کا خیال رکھے کہ یہ غریب اقلیت ممکن ہے نگاہوں میں کم نظر آتی ہو لیکن لاوارث نہیں ہے، اس کا کوئی وارث ہے۔ میرا اشارہ کسی کُرسیِ اقتدار کی طرف نہیں ہے۔ جب میں یہ کہتا ہوں کہ وارث ہے تو اس سے مراد زمانے کے امام ہیں۔

سنہ ۱۳۸۳ھ میں آج سے سات برس پہلے میں نے اِسی نشتر پارک میں "مسئلۂ دینیات" پر دس تقریریں کی تھیں اور نو محرّم کی تقریر فیصلہ کُن کی تھی۔ اس کے بعد میرا نقطۂ نظر بالکل واضح ہے، اور اس میں ذرّہ برابر بھی امکان صلح کا نہیں ہے، میں وہی چاہتا ہوں جو علماء چاہتے ہیں۔ میں نے سکوت اِس لیے اختیار کیا کہ مسلسل کام ہورہا ہے اور اچھا کام ہورہا ہے مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ سات برس کے بعد اس موقف کو پھر دوہرانا پڑے تو اب بھی وقت ہے اس نظرانداز کی جانے والی اقلیت کو حکومت سمجھے اور اس اقلیت کے مطالبات کو حکومت مانے۔ کم از کم کیے ہوئے وعدوں پر حکومت نظرِ ثانی کرے، اور یہ طے کیا جائے کہ ہمارا بھی کچھ حق ہے۔ میں نے

اپنے موقف کو اِس لیے واضح کر دیا۔

آج سے سات برس پہلے میں نے دینیات کا مطالبہ کیا تھا وہ مطالبہ آج بھی باقی ہے، اُس وقت بھی کہا تھا، پھر کہہ رہا ہوں کہ شیعہ دینیات کا مطالبہ ہے، کرسی کا مطالبہ نہیں ہے، اقتدار کا مطالبہ نہیں ہے۔ دین و دیانت کے اصول پر حقوق کا مطالبہ ہے۔ اگر حکومت اسی طرح ہمارے دینی مطالبات کو نظر انداز کرتی رہی تو اُس کی عدل و داد پر حرف آئے گا۔ آخر میں کہنا چاہوں گا کہ صبر کی ایک حد ہوتی ہے اور کسی منزل پر صبر کی حدیں متزلزل ہوگئیں تو میں قوم کو قربانی پر نہیں چڑھاؤں گا، پہلے میں اپنی قربانی دوں گا۔ یہ خیال رہے کہ یہ سیاسی تقریر نہیں ہے۔

یہ سیاسی گفتگو نہیں ہے جہاں بات بات پر خون کی بوندیں ٹپکائی جائیں، یہ حق ہے، یہ حق کی گفتگو ہے۔ ہم میں میثمی ہے، ہم میں عماری ہے، ہم میں بوذری ہے، ہم ذوالشہادتین ہیں، ہم شہید ثالث ہیں، محمد مکّی ہیں، ہم محمد تقی قزوینی ہیں، ہم قاضی نور اللہ شوستری ہیں۔ ہم نے اپنے موقف کو واضح کر دیا۔

سنہ ۱۳۸۳ ہجری سے میرا مطالبہ ہے۔ سات برس گذر گئے، میرے پاس اُن تقریروں کے ٹیپ موجود ہیں کہ میں نے دینیات کو کیوں ضروری جانا۔ اُس وقت کی ایک تقریر کا خلاصہ کاش مجھے پوری طرح سے یاد آجائے۔ میں نے بتلانے کی کوشش کی تھی کہ ہمارے پاس چار کتابیں۔ (۱) "کافی" (۲) "مَن لایحضرہُ الفقیہ" (۳) "تہذیب" (۴) استبصار

اُصولِ کافی" میں سولہ ہزار ایک سو ننانوے (۱۶۱۹۹) حدیثیں ہیں۔ "مَن لایحضرہُ الفقیہ" میں ہمارے پاس نو ہزار چالیس (۹۰۴۰) احادیث

ہیں۔ "تہذیب" میں ہمارے پاس تیرہ ہزار نوسو پچاس (۱۳۹۵۰) احادیث ہیں۔ "استبصار" میں ہمارے پاس ساٹھ ہزار پانچ سو گیارہ (۶۰۵۱۱) احادیث ہیں۔ امیرالمومنینؑ سے لیکر حضرت امام حسن عسکریؑ تک ہمارے پاس چھ سو سات (۶۰۷) کتابیں لکھی گئی ہیں اور ہر حدیث کو شروع کیا اور ہر کتاب میں لکھا ہے کہ ہم سے ہمارے پدرِ گرامی نے، اُن سے اُن کے پدرِ گرامی نے، اور اُن سے جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا ہے۔ کم از کم ایک مجموعہ کو تو دنیا پڑھے، ہماری کتابوں کو تو پڑھیں، یہ احادیث ختمی مرتبتؐ سے آرہی ہیں اور ائمہ معصومینؑ نے اُس کو نقل کیا ہے، یہ علمِ معصوم کے ساتھ ہیں جس میں شک کی اور رَیب کی گنجائش نہیں، اتنا ضخیم سرمایہ، اتنا کثیر سرمایہ آپ کے پاس ہے؟ اور جامعہ ازہر کے شیخ شلتوت نے فتویٰ دیا ہے کہ "اسلامی فقہ سمجھ میں نہیں آئے گی جب تک کہ شیعی فقہ کی کتابیں نہ پڑھی جائیں۔" حج کے لیے تمام مسلمان گئے تھے بعض احکامِ حج پر اگر گفتگو ہو جائے تو پتہ چلے کہ کہاں سے لیے گئے ہیں یہ احکامِ حج یعنی مجھے "صحاحِ ستّہ" میں کوئی دکھا دے احکامِ حج؟ تفصیل سے احکامِ حج کوئی ہم کو "بخاری" میں بتلائے "مسلم" میں دکھائے، "ترمذی" میں دکھائے، "مُسندِ احمد بن حنبل" میں دکھائے۔ فقہاء نے یہ احکام کہاں سے لیے ہیں؟

جب حضرت امام جعفر صادق اور حضرت امام محمد باقر علیہما السّلام فرما چکے تو دوسروں نے اُن سے سیکھے ہیں۔ احکامِ حج کو سمجھنے کے لیے ہماری فقہ کی ضرورت ہوگی۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ فقط اِس خوف کی وجہ سے کہ کہیں یہ مطالبات منظور نہ ہو جائیں اسلامیات کو ہم پر مسلّط کیا گیا، یہ مستقل گفتگو رہے گی کہ اسلامیات میں کیا ہے۔ میں مارٹن روڈ کے امام باڑے میں اس موضوع پر تقاریر کر چکا ہوں میں نے وہاں کہا تھا کہ اسلامیات کی جتنی کتابیں

PRESCRIBE کی گئی ہیں اُن میں سب کچھ ہے مگر اسلامیات نہیں ہے۔

اسلامیات کی کتابوں کو تو شروع ہونا چاہیے تحفّظِ ذات سے،

اور تحفّظِ ذات سے تقویٰ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یہاں سے شروع کیجیے اسلامیات کو۔ اور رہی تاریخِ اسلام کی گفتگو تو وہ کتابیں PRESCRIBE کی گئی ہیں جو نہ بازار میں ہیں، اور نہ کتب خانوں میں۔ بچّے پریشان، طلبا حیران ہیں، صرف شیعہ بچّے نہیں، جو بھی تاریخِ اسلام لے، وہ کتابیں ملتی نہیں ہیں، اور پڑھانے والے تاریخِ اسلام سے جتنے نزدیک ہیں اُن کا تذکرہ ہی نامناسب ہے۔ اسلام کی تاریخ دریائے ذخّار ہے، آخر کس چیز کی تاریخ ہے۔ ساسانیوں کی تاریخ، سامانیوں کی تاریخ، تُرکانِ تاتار کی، آلِ عثمان کی، آلِ سلجوق کی، مغلیہ تاجداروں کی، بنی اُمیّہ کی، بنی عبّاس کی، آخر کس کی تاریخ ہے۔ اگر تاریخ اِن کی ہے تو لکھو مسلمانوں کی تاریخ۔ اسلام اور ہے مسلمان اور ہے۔ آپ مسلمان کی تاریخ کو اسلام کی تاریخ کیسے کہہ رہے ہیں اگر آج تک بھی یہی دھوکا ہے، اگر مسلمان ہی اسلام ہے تو نبیؐ زادی کی قبر پر اور پیغمبرؐ کی قبر پر جانا بدعت ہے۔ اگر آج تک یہی دھوکا ہے کہ مسلمان اسلام ہے، مسلمان نبی نہیں ہے، مسلمان معصوم نہیں ہے، اس میں بھی ہوا و ہوس ہے اُس میں بھی خواہشاتِ نفسانی ہیں ورنہ یہ عدالتیں، یہ جیل نہیں ہوتے۔ آپ مسلمانوں کی زندگی، مسلمان بادشاہوں کی تاریخ کو الگ کیجیے۔ اسلام کی تاریخ تو مسائل کی تاریخ ہوگی۔ یہ مسائل کی تاریخ ہوگی کہ نماز میں پہلے کیا واجب ہوا۔ پہلے کیسے کھڑے ہوئے، پھر کس نے کھڑے ہونے کی ترتیب بدل دی، اس کے بعد کہاں بحث شروع ہوئی بِسْمِ اللہ پر کہ پکار کر پڑھی جائے کہ نہیں، دعائے قنوت کو کہاں چھوڑا گیا، جب یہ تاریخ لکھی جائے تو ایک ایک مسئلے کی تاریخ ہوگی

اسلام کی تاریخ DEVELOPMENT ہے کہ اجتہاد نے کیا کیا۔ اجتہاد
کو تو آپ سمجھتے ہیں، اجتہاد، عصمت سے ہٹا ہوا لفظ ہے، اجتہاد میں امکانِ خطا
ہے، اِس لیے کہ مجتہد خطا کر سکتا ہے۔ اور جب ہم فکر کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ
صدرِ اوّل میں بھی یہی ہوا، لڑائیاں ہوئیں، مسلمانوں کا لہو بہا۔ اور جب پوچھا گیا
کہ یہ کیوں ہوا؟ تو جواب ملا، مجتہد نے تاویل کی خطا کی، مجتہد میں امکانِ خطا
ہے، تاریخِ اجتہاد جب آگے بڑھتی چلی جاتی ہے تو اُس وقت اندازہ ہوتا ہے
کہ کہاں خطا ہوئی، اُس کو کہاں سدھارا گیا، اُس کو کہاں سنبھالا گیا، کس کی
کیا رائے تھی، حضرت عبداللہ ابنِ زبیر کا فرمان کیا ہے، حضرت عبداللہ ابنِ عمر
کیا کہتے تھے، سعید ابنِ مسیّب کا کیا فتوٰی ہے، ابوسعید خدری نے کس حدیث
کو نقل کیا تھا، بخاری نے اُس کو کیسے نقل کیا، امام ظفر نے اُس کو بعد میں
کیسے نقل کیا، پھر طبقات خلفاء کیسے گئے، طبقات شافعی کیسے گئے،
طبقات حنبلی کیسے گئے، یہ ہے تاریخِ اسلام ــــ!

عزیزانِ گرامی! میں تشنہ رہ جاؤں گا اگر ایک جملے کا اور اضافہ نہ
ہو، کہ یہ تاریخِ اسلام ایک ہی طبقات پر آپ محدود کر دیں گے تو یہ تاریخ حددرجہ
ناقص ہوگی۔ اگرچہ مسائل کی تاریخ سہی، اگرچہ فقہی تاریخ سہی، اگرچہ اجتہاد کی
تاریخ سہی، لیکن حددرجہ ناقص ہوگی۔ اِس لیے کہ آپ کو یہ بتانا پڑے گا تاریخِ اسلام
کے ایک حصّے میں کہ ایک ایسا بھی طبقہ ہے جو اپنے ائمّہ کو مجتہد نہیں معصوم سمجھتا
ہے۔ ائمّہ کا سلسلہ قبیلوں سے نہیں ہے، کوئی امام بنی اسد سے نہیں ہے،
کوئی بنی ہوزن سے نہیں ہے، کوئی بنی تمیم سے نہیں ہے، کوفے کا نہیں ہے،
کوئی اسپین کا نہیں ہے۔ یہ سلسلہ ایک ہی گھرانے کا ہے۔ باپ، دادا، پردادا
محمدؐ عربی۔ اعتراض کر کے جو بھی اعتراض ہو لکھیے، مگر یہ لکھ دیجیے کہ یہ طبقہ اپنے

آئمّہ کو مجتہد نہیں معصوم سمجھتا ہے۔ اور اگر مجتہد اور معصوم میں فرق سمجھ میں نہ آئے تو مولانا رومؔ سے مدد لیجیے۔ مولانا رومؔ نے دفترِ اوّل میں کہا کہ: "جب علیؑ نے پہلوان کو پچھاڑ دیا اور آپ نے اُسے قتل نہیں کیا تو پہلوان نے کہا کہ: آپ قتل کیوں نہیں کرتے؟ علیؑ نے کہا: میں مرضیٔ ربّ پر چل رہا ہوں، اس موقع پر مولانا رومؔ نے ایک شعر کہا:

زاجتہاد و از تحرّی رستہ ام

آستیں بر دامنِ حق بستہ ام

"میں مجتہد نہیں ہوں میں چوراہے پر کھڑے ہو کے سوچتا نہیں ہوں آستین کو میں نے دامنِ حق سے باندھ رکھا ہے۔"

مولانا رومؔ کے عقائد تو سب پر واضح ہیں، کم از کم یہ شعر Quote کر دیجیے۔ یہ بتلا دیجیے کہ ایک طبقہ علی علیہ السّلام کو معصوم سمجھتا ہے، اُن سے احادیث کو لیتا ہے، اُن کے احادیث کی سند یہ ہے، اُن کے مجتہد یوں آئے، مستند یوں آگے بڑھا، جو علیؑ نے کہا، وہی حسنؑ نے کہا، جو حسنؑ نے کہا وہی حسینؑ نے یہ مسئلہ کی سیر میں اگر اُس دن بھی بسم اللہ پکار کر کہا تھا تو آج تک اُسی طرح ہے، اگر اُس دن دوسری رکعت میں قنوت پڑھتے تھے تو آج اُسی طرح ہے، اگر اُس دن تشہد میں دُرود بھیجتے تھے تو وہ آج بھی ہے۔ اِس مسئلے میں مستقل مزاجی اختیار کی۔ اب وہ اجتہاد کی شان ہے کہ نہیں، یہ اور بات ہے، لیکن تاریخِ اسلام میں ایک حصّہ قائم کر کے کم از کم بتلا تو دیجیے کہ یہ تاریخِ اسلام کا ایک رُخ ہے جہاں عصمت کا تصوّر پیش کیا گیا۔ علمِ معصوم کو پیش کیا گیا اور یہ کہا گیا کہ یہ معصوم نے کہا ہے، اور کیسے کہا ہے، وہ اِس طرح کہ جیسے قرآن میں مُحکم ہے اور متشابہ ہے۔ اِسی طرح ہمارے کلام میں محکم ہے

منشا یہ ہے، اور اگر آج سمجھ میں نہیں آیا تو پانچ سو برس کے بعد سمجھ میں آئے گا کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ دنیا کی ترقیاں، تعلیم کی زیادتی اور آپ کا بے پناہ شوق اور مسلمانوں کا خلوص دینیات کے ساتھ۔ اب مسلمانوں کو اس منزل تک پہنچا چکا کہ آہستہ آہستہ ائمہ اہلِ بیتؑ سمجھ میں آرہے ہیں۔ اب علیؑ سمجھ میں آرہے ہیں اب حسینؑ سمجھ میں آرہے ہیں، اب سیدؑ سجادؑ سمجھ میں آرہے ہیں، اور اس سمجھانے میں ڈاکٹر اقبالؔ نے اپنا حق ادا کر دیا، اب کوئی سمجھے یا نہ سمجھے اور جو چاہے ڈاکٹر اقبالؔ کو دنیا کہہ دے۔ اقبالؔ نے بتایا کہ اہلِ بیتؑ کا مقام و رُتبہ کیا ہے۔ حضرت فاطمہ زہراؑ کا رُتبہ کیا ہے، کسی بی بی کا ذکر نہیں کیا لیکن اقبالؔ نے حضرت فاطمہ زہراؑ کا ذکر کیا ہے، کسی اور کا ذکر نہیں کیا مگر علیؑ کا ذکر کیا ہے۔ شہیدوں میں کسی اور کا ذکر نہیں کیا مگر حسینؑ کا ذکر کیا۔ آپ کے شاعرِ مشرق اور حکیمِ ملت نے یہ حق ادا کیا۔ اس لیے تاریخِ اسلام کے حصّے کو شاعرِ مشرق کے بہت سے کلام سے مزیّن ہونا چاہیے۔ اس کو نہ بھولیے اور اگر یہ کام نہیں ہو سکتا تو پھر ایک ایسی تاریخ لکھنے کی ضرورت پڑے گی کہ جہاں اب تحقیق کے ساتھ اُن حقائق کو پیش کیا جائے، جہاں ذاتی دشمنیوں کی وجہ سے مسائلِ فقہی بگڑ گئے۔ ــــــ!

عزیزانِ گرامی! میں آج جس امر کی وضاحت چاہتا تھا وہ یہ ہے کہ فقہِ شیعی اور علمِ معصوم ملّتِ مسلمہ کے لیے آج اُتنا ہی ضروری ہے جتنا بعدِ رسولؐ ضروری تھا، اُس وقت تو کہتے تھے "اَقْضَاکُمْ عَلِیٌّ" تم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا علیؑ ہے۔ اس وقت تو دنیا کہتی تھی: اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا۔ یہ رسولؐ کی زندگی تھی، رسولؐ کی زندگی کے بعد دنیا نے بڑی فراخدلی سے کہا کہ: "خدا اُس محفل میں نہ رکھے

جس میں ابوالحسنؑ نہ ہوں، ہم مر جاتے اگر علیؑ نہ ہوتے۔" کم از کم اسی وسعتِ قلبی کا ثبوت دیا جائے، ضرورت ہے کہ تاریخِ اسلام کو اُسی انداز میں ترتیب دیا جائے اور اُس میں پورے مکتبِ فقہی کو پیش کیا جائے اور یہ بتلایا جائے کہ ہمارا CONTRIBTION کیا ہے۔ آخر چھ سو سات (۶۰۷) کتابیں اور امام مالک سے پہلے کی کتاب ہے "صحیفۂ کاملہ" صحیفۂ سجادیہ، آخر کوئی تو غور کرے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کی دعائیں کیا ہیں بس یہ نہیں کہ پروردگار روزی دیدے۔ یہ تو بخیل کی دعاء ہے۔ وہاں دعاء ہے مسئلہ ہے، تبلیغ ہے، صبر کی ہدایت ہے، بادشاہوں کو امر بالمعروف اور نہی عَنِ المُنکَر کی طرف لانا ہے، تاریخ ہے، واقعات ہیں۔ ایک دعاء ہے اور مسائل کے دفتر ہیں۔

آپ نے کبھی غور کیا ہے، سُلیم ابنِ قیس کی کتاب پہلی کتاب ہے، جس کتاب کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہا کہ یہ کتاب شیعوں کے لیے ابجد ہے کبھی آپ نے اِن کتابوں پر غور کیا جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور میں لکھی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ سیّد السّاجدین ع کی ایک اور کتاب ہے "کتاب الحقوق" کبھی آپ نے اس کتاب پر غور کیا، جمع کیجیے اِن کتابوں کو، آپ کی نظر میں وہ کتابیں ناپسندیدہ سہی مگر دنیا کے سامنے اُسے لے تو آئیے شاید یہ متشابہ کبھی مُحکم ہو جائے۔

یہ علم معصوم ہے، علم کو عالم سے لیجیے غیر عالم سے نہ لیجیے:

" بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ

" بلکہ وہ آیتیں واضح ہیں اُن کے سینوں میں جو صاحبانِ علم ہیں

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝ (سورۂ عنکبوت ۲۹ آیت ۴۹)

" ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر ظالم "

کسی پر تیر چلانا ہی ظلم نہیں ہے، کسی کو تلوار سے مارنا ہی ظلم نہیں ہے، کسی کے علم سے انکار کرنا بھی ظلم ہے، کسی کے علم سے فائدہ نہ اُٹھانا بھی ظلم ہے، اِس لیے کہ قوم کی ترقّی رُک جاتی ہے۔ اِس منزل پر یہ بات پیشِ نظر رہے کہ ہمارا CONTRIBTION عالمِ اسلام میں کچھ کم نہیں ہے۔ یہ CONTRIBTION اِس لیے نہیں ہے کہ مصر میں فاطمیّین مصر کی حکومت تھی۔ یہ CONTRIBTION اِس لیے نہیں ہے کہ ایران میں صَفَوِیّوں کی حکومت تھی، یہ CONTRIBTION اِس لئے نہیں ہے کہ اِس وقت ایران میں ہماری آبادی زیادہ ہے۔ نہیں ـــــ یہ CONTRIBTION اُس وقت کا ہے جب ہاتھ قلم ہو رہے تھے اور کتابیں لکھی جارہی تھیں، پاؤں کاٹے جارہے تھے اور زیارت ہو رہی تھی۔ !

آپ نے معصوم کی اور مجتہد کی منزلوں کو دیکھا، بڑا فرق ہے۔ عجیب بات ہے کہ دنیا معصوم کے مقابل کوئی اصطلاح آج تک لا نہ سکی، اور اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معصومین کے مقابل میں صوفیائے کرام، عظیم ترین مُرشد جو " وحدت الوجود " کے قائل تھے اُن کو معصوم کے مقابل لاکر کھڑا کردیا گیا، لیکن معصوم کی منزل اور تھی، وہ علم کی منزل ہے۔ اب فرق کیا ہے؟ فرق یہ ہے کہ تاریخ بتلاتی ہے، فلسفہ بتلاتا ہے کہ اگر تم آغاز میں نہیں تھے تو انجام کو دیکھ کر انجام کے ذریعے فرق پہچانو، تو آج ہم معصوم کی قبر کی زیارت کے جملے یہ ادا کرتے ہیں جو غیرِ معصوم کے لیے نہیں ہیں:

اَشْهَدُ اَنَّكَ كُنْتَ نُوْرًا فِي الْاَصْلَابِ الشَّامِخَةِ وَ الْاَرْحَامِ الْمُطَهَّرَةِ لَمْ تُنَجِّسْكَ الْجَاهِلِيَّةُ بِاَنْجَاسِهَا

وَ لَمْ تُلْبِسْكَ مِنْ مُدْلَهِمَّاتِ ثِيَابِهَا ۔ (زیارت مبسوطہ)

یہ معصوم کے لیے کہہ سکتے ہیں کہ : تم پاک صلبوں میں اور پاک رحموں میں نور تھے ۔ ۔ ۔ ۔ "

عزیزانِ گرامی ! میں شرمندہ ہوں آپ دھوپ میں کھڑے ہیں آج نویں محرّم ہے اور آپ کا یہ انہماک ، یہ آپ ہی کا حق ہے ، ــــــ آپ نے غور کیا ــــــ زیارت کے یہ الفاظ معصوم کے لیے ہیں اور اگر فرق دیکھنا ہے تو آؤ چلو کربلا چلو ــــــ آج نویں محرّم کو کربلا میں لاکھوں کا مجمع ہے ۔ دور دور سے آوازیں آرہی ہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ۔ بہت فرق ہے معصوم میں اور مجتہد میں ۔ یا ابنَ رسولَ اللّٰہ کس مجتہد کے لیے کہوں ، کس ائمۂ فقہ کو کہوں یا ابن رسول اللّٰہ ۔ وہ کون سا امامِ حدیث ہے جس کو یا ابن رسول اللّٰہ کہوں ، کوئی نیشاپور سے آیا ہے ، کوئی بخارا سے آیا ہے ، اب میں یا ابن رسول اللّٰہ کس کو کہوں ، ــــــ ! ؟

معصوم مقامِ عصمت پر ہے ، اُس کا علم معصوم ہے ، اُس کے علم کی نشانیاں ہمارے پاس موجود ہیں ، ممکن ہے کہ روایتیں سمجھ میں نہ آئیں ، متشابہ ہیں ، ممکن ہے بعض راویوں نے سُننے میں غلطی کی ہو بعد میں یہ محکم ہوجائیں عالمِ اسلام کو اگر رجال سمجھنا ہو ، اگر تفسیر سمجھنا ہو ، اگر فقہ کے مسائل کو سمجھنا ہو تو جب تک وہ شیعی فقہ کی طرف رُجوع نہ کرے ، اُن کو اپنے رِجال سمجھ میں نہیں آئیں گے ۔ یہ بہت بڑی تاریخ ہے ۔ میں کم وقت میں کیسے سمجھاؤں ۲۶۰ھ تک مسلمانوں کے سمجھ میں علم رِجال نہیں آیا ۔ رِجال کے معنی احادیث کے راوی ۔ سمجھ میں نہیں آیا مگر جب ائمہ کا زمانہ ختم ہوگیا اور جب پہلی کوشش ۴۰۵ھ میں وفات پانے والے ابو عبداللّٰہ صاحبِ مستدرک نے بتایا کہ اتنے

احادیث تھے، اتنے احادیث تھے کہ جن کو انھیں لوگوں نے کہا تھا کہ صحیح ہے راوی مگر چھوڑ دیا مَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ کو چھوڑ دیا۔ اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ کو چھوڑ دیا۔ حدیثِ تطہیر کو چھوڑ دیا۔ یہ مستدرک ہے، کسی اور کی کتاب نہیں ہے، کیوں اور کب؟ جب پلٹ کر اِدھر دیکھا کہ عالم کا فرمان کیا ہے، پتہ چلا کہ راوی تو وہی ہیں۔

بہر حال عزیزانِ گرامی! اگر معصوم کی عظمت کو سمجھنا ہے اور اُس کے مقاماتِ عالیہ کو دیکھنا ہے تو کربلا چلو، آؤ آج کربلا چلو۔ آج نُو۹ محرّم ہے آج چلو، تاسوعا ــــ آج وہ تاریخ ہے ـــــ حسینؑ ہر طرف سے گھر گئے تھے۔

مولا! ایک ایک شہید نے آپ کو آواز دی، مولا یہ معصوم ہی کی ہمت ہے، یہ معصوم ہی کا حق ہے کہ ایک ایک شہید پکارے تو ہر شہید کی لاش پر جائے، اگر تفصیل پڑھوں تو معلوم ہو کہ کس شہید کی لاش اُٹھا کر حسینؑ نے قرآن کی کونسی آیت پڑھی۔ یہ صرف امام ہے ــــ علی اکبرؑ کی لاش اُٹھائی تو یہ آیت پڑھی: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝

عبّاسؑ کی لاش پر پہنچے تو یہ آیت پڑھی:

"مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ ۖ٘ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا ۝" (سورہ ۳۳ احزاب آیت ۲۳)

علی اصغرؑ کے گلے پر تیر لگا تو چھوٹی سی آیت پڑھی:۔

"اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝" (سورہ ۲ بقرہ آیت ۱۵۶)

ذراسی دیر میں حسینؑ نے کتنی جلد جلد قربت حاصل کی، کتنے جلد جلد بہت سے کام کیے ہیں۔ حسینؑ نے وقت کم تھا۔ قاسمؑ کی لاش لائے عونؑ و محمدؑ کے لاشے لائے، علی اکبرؑ کو روئے، عباسؑ کو روئے اور اکیلے ہو گئے حسینؑ اکیلے ہو گئے، میرا امام اکیلا ہو گیا، ارے کاش تم ہوتے، حسینؑ پکار رہے ہیں "هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَّنْصُرُنَا" منبّت محمدؐ پر فائز ہونے والا پکار رہا ہے، روحِ رسولؐ پکار رہی ہے، کوئی ہے مدد کرنے والا۔

فُرات نے آواز دی ـــــ مولا! سب کو غرق کر دوں ـــــ کہا نہیں ـــــ زعفرِ جنّ نے کہا: مولا! میں مدد کروں ۔؟ فرمایا نہیں۔ ـــــ ملائکہ نے کہا فرزندِ رسولؐ! ہم مدد کریں، فرمایا نہیں۔ آفتاب کی تمازت میں کچھ کمی محسوس ہوئی، کچھ چھاؤں سی ہو گئی، پلٹ کر دیکھا جبرئیلِ امین پروں کو پھیلائے ہوئے سر پر سایہ کیے ہوئے تھے، حسینؑ نے پوچھا جبرئیل! یہ کیا؟ کہا بچپن میں جھولا جھلایا ہے، بچپن میں خدمت کی ہے، ـــــ تھوڑا سایہ کر دوں ـــــ فرمایا، ہٹ جاؤ، آج حسینؑ کا امتحان ہے۔ حسینؑ امتحان دے رہا ہے ـــــ حسینؑ نے پھر آواز دی "اَمَا مِنْ نَاصِرٍ يَّنْصُرُنَا" "ہے کوئی مدد کرنے والا جو ہماری مدد کرے" ایک بار پیچھے سے ایک بی بی کی آواز آئی ـــ میرے لال! ـــ میں مدد کروں؟ (میں نے مجلس ختم نہیں کی) ـــ (ابھی میں نے مجلس ختم نہیں کی۔ (علامہ ایک وقفے کیلئے خاموش ہو گئے) اس وقت قیامت خیز گریہ ہو رہا ہے) ـ زہراؑ نے آواز دی میرے لال! میں مدد کروں؟ کہا نہیں اماں آج امتحان کا دن ہے۔ اور اب حسینؑ خیمے میں آئے۔ زینبؑ کو رخصت کیا۔ خیمے سے برآمد ہوئے۔ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ سکینہ گھوڑے کے قدموں سے لپٹ گئیں۔ آواز دی۔ بابا نہ جاؤ بابا نہ جاؤ۔

مجلسِ عاشورا

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۵۶)

"علمِ معصوم" میں یہ گذر چکا ہے کہ حسینؑ کا کوئی رونے والا محروم نہیں رہے گا۔ علمِ معصوم میں یہ گذر چکا ہے کہ حسینؑ کا کوئی ماتم دار حیران نہ رہے گا نہ دنیا میں نہ آخرت میں ـــــ "یہاں بھی اللہ نے چاہا تو اچھی ہی گذرے گی، تھوڑی سی حیرانی ہے، پریشانی ہے کبھی وقت ملے، گھبراؤ تو بی بی کو پکارو، شہزادی کو پکارو، زہرا کو پکارو ـــــ!!

شہزادی ـــــ!

"اب مدد کا وقت ہے" پکارو کبھی محروم نہیں رہو گے۔ وہ ایک ہی بچانے والی، اب یہاں بچائے جاتے یا محشر میں بچائے جاتے۔

ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو وقفِ غم کریں۔

اگر ہم پر کوئی مصیبت آئے تو وہ معصومینؑ کا کام ہے، یہ مظلوم امامؑ کا کام ہے وہ آپ کو بچائے جائیں گے۔ بحمد اللہ آپ جمع ہو گئے۔

رات بھر آپ جاگتے رہے، ایک امام باڑے سے دوسرے امام باڑے تک برابر ماتم کرتے ہوئے آپ جاتے رہے۔

آپ کے بچے آپ کے ساتھ رہے، آپ کے گھر والے آپ کے ساتھ رہے۔ آپ نے راستے کی تکلیفیں اُٹھائیں، آپ کے لیے سواری کا انتظام

نہیں تھا۔ سب کا اجر ملے گا۔ یہ کوئی خواب وخیال کی باتیں نہیں ہیں، اگر خواب و خیال کی باتیں ہوتیں تو نہ یہ مجلسیں ہوتیں اور نہ یہ مجمع ہوتا۔ نہ اتنے حضرات یہاں جمع ہوتے۔

یہ کوئی رسم نہیں ہے ——— !!

ہم فرض ادا کر رہے ہیں ——— !! ہم اپنا فریضہ ادا کر رہے ہیں ——"

عزاء کے دن گزرے، محرّم کی دسویں آگئی۔

کربلا میں محشر ہے، کربلا میں قیامت ہے، آج کربلا کی زمین پر تل دھرنے کی جگہ نہیں ہے۔ ہر طرف سے آواز آرہی ہے:

فرزندِ رسولؐ ——————— !

فرزندِ رسولؐ ——————— !!

مولا ——— ! غلاموں کا سلام قبول ہو، دعا یہ کرو کہ زندگی میں ایسا دن آئے کہ عاشور کا یہ دن کربلا میں گزرے ——— !

زندگی میں ایسا دن آئے کہ عاشور کے دن اپنی آنکھوں سے روضے کو دیکھو، اپنی آنکھوں سے ضریح کو دیکھو، ارے آج تک علی اکبرؑ حسینؑ کے پاس ہیں، وہیں ضریح میں قریب ہی ہے، ارے جا کر دیکھو بیٹا کس طرح سے باپ کے قریب ہے۔

شہدائے کربلا تم پر بھی ہمارا سلام ہو"

اُمِّ لیلیٰ کے لال! خدا حافظ ——— " اُمّ البنینؑ کے بیٹے —— ! خدا حافظ ——— قاسمؑ! ——— اُمِّ فروہ کی جان! خدا حافظ ——— زینبؑ کے دونوں لال عونؑ و محمدؑ! خدا حافظ ———

سارے شہیدوں پر سلام کرتے ہوئے، سارے شہیدوں پر سلام

کرتے ہوئے چلو، آقا کی خدمت میں چلو،

آقاؑ زخمی ہو چکے ہیں، سر سے پاؤں تک زخمی ہو چکے، میرا امامؑ زخمی ہو چکا، ارے وہ حسینؑ ـــــ بچپن میں اگر پاؤں دامن سے اُلجھ کے کبھی فرزندِ رسولؐ کو صدمہ ہوا اور مسجد میں اگر گر پڑے، نانا نے خطبے کو روک دیا منبر سے دوڑتے ہوتے گئے، بچے کو اُٹھایا، پیشانی پر بوسہ دیا۔ بار بار پوچھتے تھے، حسینؑ! چوٹ تو نہیں آئی۔

یا رسولؐ اللہ ـــــــ !!

دیکھیے کربلا میں وہ حسینؑ بہت زخمی ہے، سینہ زخمی، گلا زخمی، پیشانی زخمی، ہاتھ زخمی، ساعدِ زیبا زخمی، بازو زخمی، آواز دے رہے ہیں۔

هَـلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا

کیا کوئی ہے ہماری مدد کرنے والا؟

حسینؑ پکار رہے ہیں۔ کوئی ہے۔ ہماری مدد کرنے والا۔؟

کوئی تو ہوتا مدد کرنے والا۔"

حسینؑ کی یہ آواز قیامت تک ہے، آج اِس مجلس میں بھی یہ آواز آرہی ہے۔ کوئی ہے میری مدد کرنے والا۔؟

فاطمہؑ کی جان ـــــ! ہم کیا مدد کر سکیں گے مولاؑ ـــــ میرا آقا زخمی ہو گیا۔ زینِ ذوالجناح پر جھومنے لگے، گھوڑے کی گردن میں باہیں ڈال کر کہہ رہے ہیں۔ اے ذوالجناح ـــــ! دیکھ میرا علی اکبرؑ کہاں سو رہا ہے، ذوالجناح! میرا لال کہاں سو رہا ہے۔

آہستہ آہستہ چل ذوالجناح ـــــ جگہ ہم پسند کریں گے۔

اور ایک مرتبہ فوجوں کی سیاہی میں، شام کے بادلوں میں زہراؑ کا چاند چھپ گیا۔

درِ زینبیہ جہاں ہے بلند مقام ہے، وہاں سے زینبؑ بھائی کو دیکھ رہی تھیں

بھائی نظر نہیں آیا ـــــ بھائی نظر نہیں آیا ـــــ

اور ایک مرتبہ دوڑ کر خیمے میں گئیں اور کہا، عابدِ بیمار، میرے بچوں سے ہشیار

اب میرا بھائی نظر نہیں آتا، میرا بھائی نظر نہیں آ رہا ہے۔

" اللہ آپ سب کو اجر دے ـــــ "

اللہ اب کوئی نہیں ہے حسینؑ اکیلے ہیں، حبیبؑ نہیں، زُہیرؑ نہیں،

مسلمؑ نہیں، علی اکبرؑ نہیں ـــــ عباسؑ نہیں ـــــ اب تو اکیلی زینبؑ ہیں

شہزادی کیا کرے ـــــ زینبؑ ـــــ بی بی کیا کرے ـــــ وہ راستہ جو

حسینؑ نے گھوڑے پر طے کیا تھا، زینبؑ نے پیادہ پا اُس راستے پر چلنا

شروع کیا ـــــ زینبؑ کا رُخ مقتل کی طرف ہے۔

بہن بھائی کو دیکھنے جا رہی ہے ـــــ (قیامت کا گریہ ہے کئی منٹ کی

خاموشی ہے۔ علامہ رشید ترابی خود بھی گریہ کر رہے ہیں، مجمع اُٹھا جا رہا ہے)

(لوگ ابھی تک سر و سینہ پیٹ رہے ہیں)

(علامہ رشید ترابی بھی گریہ کر رہے ہیں، کان پڑی آواز نہیں سنائی

دے رہی ہے)

وہ راستہ جو حسینؑ نے ذوالجناح پر طے کیا تھا، اسدُ اللہ کی بیٹی

پیادہ پا چلی، ـــــ !

مقتل کے قریب آئیں ـــــ "

پکار کر کہا ـــــ راستہ دو ـــــ راستہ دو ـــــ فاطمہؑ کی بیٹی

آئی ہے ـــــ راستہ دو محمدؐ کی نواسی آئی ہے۔

میرا بھائی کس طرف ہے ـــــ کہاں ہے میرا بھائی۔

دور سے آواز آئی ______

اِدھر آؤ ______ اِدھر آؤ ______ زینبؑ اِدھر آؤ۔ بھائی نے بہن کو بُلایا۔ ______ (بس ہوگئی مجلس)

مجھے یقین ہوگیا ______ زہرا بی بی آگئیں ______ شہزادی کی سواری آگئی۔

"مقتلِ زینبیہ" سے پڑھ رہا ہوں

یہ آخری جملے ہیں ______ سُن لیجیے ______ !

بھائی نے آواز دی، زینبؑ اِدھر آؤ ______ زینبؑ اِدھر آؤ ______

اب جو دور سے دیکھا ______ زمین پر بھائی کا لاشہ پڑا ہے ______

پکار کر کہا ______

أَ اَنْتَ اَخِیْ ______ "کیا تو میرا بھائی ہے ؟" ______

آواز آئی، ہاں ______ زینبؑ! ذرا نزدیک آؤ ______ ایسے موقع پر علیؑ کی بیٹی آگے بڑھی، دونوں زانوؤں کو زمین پر رکھ دیا، دونوں ہاتھ بھائی کی لاش کے نیچے رکھ کر ______ لاشے کو ہاتھوں پر بلند کیا ______"

مدینے کا رُخ کیا ______

زیرِ آسمان لاشے کو بلند کر کے کہا ______ پروردگار! اپنے نبیؐ کی طرف سے اور نبیؐ کی بیٹی فاطمہؑ کی طرف سے اِس قربانی کو قبول فرما۔

اور ایک مرتبہ نانا کو سلام کیا۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

یہ آپؐ کا نواسہ حسینؑ ہے ______ پھر آواز دی، امّاں! یہ تمہارا بیٹا حسینؑ ہے۔



مجلسِ شامِ غریباں

عنوان :

"کوثر"

ریڈیو پاکستان
کراچی

۱۰ محرّم الحرام ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شام غریباں

"کوثر"

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ۝ اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ ۝

کلامِ مجید کا یہ ایک سو آٹھواں (۱۰۸) سورہ ہے، سورۂ کوثر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس کی تین آیتیں ہیں۔ اس سورے میں کُل دس (۱۰) لفظ ہیں، اس میں بیالیس (۴۲) حروف ہیں، مگر قیامت تک کے لیے معجزہ ہے۔ عطائے الٰہی کا ذکر ہے کہ: "ہم نے تجھ کو کوثر عطا کیا ہے۔" دینے والے کی شان دیکھیے رَبُّ الْعٰلَمِیْن ہے۔ کون و مکان کا خالق ہے، اُس کی عطا غیر محدود ہے غیر مجذوذ ہے، غیر محظور ہے۔ اُس نے کوثر عطا کیا ہے۔ ہم نے تجھ کو کوثر عطا کیا ہے۔ اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ۔۔۔۔ اور دوسری آیت "اپنے ربّ کی بندگی کر، اور قربانی دے۔" تیسری آیت: "تیرے دشمن کا نشان بھی نہیں رہے گا" "تیرا دشمن ابتر ہے، تیرا دشمن دُم بُریدہ ہے تیرے دشمن کے لیے کوئی عقب نہیں ہے، اُس کی نسل نہیں ہے، نہ نسلِ نسبی نہ نسلِ فکری ہے۔

اِس سورے پر غور کرتے ہوئے بڑے مختصر سے وقت میں عطائے ربّ پر غور کیجیے آپ کو پتہ چلے گا کہ قرآنِ مجید میں سورۂ ہود کی آیت میں ارشاد ہوا:

"وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝ (سورۂ ہود آیت ۱۰۸)

"اور وہ لوگ جو نیک (بدبخت) ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں، مگر جو کچھ تیرے رب کو منظور ہو، یہ عطا ہے جو قطع ہونے والی نہیں" (عطاء غیر مجذوذ، یہ وہ عطاء ہے جو کبھی قطع نہیں ہوگی۔)

سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا: ......

"مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۸ تا ۲۰)

"جو دنیا کو طلب کرتا ہے (یعنی عجلت سے ملنے والے نفع کو طلب کرتا ہے تو ہم جو چاہتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں جلد اسی "دنیا" میں دیتے ہیں مگر پھر ہم اُس کا مقام جہنم قرار دیتے ہیں جس میں وہ رُسوا اور راندۂ درگاہ ہو کر داخل ہوگا۔ اور اگر کوئی آخرت کو مانگے اور اُس نے اُس کے لئے ایسی کوشش کی جیسی کہ کوشش و سعی کرنے کا حق ہے لیکن وہ مومن بھی ہو تو اُن کی سعی مشکور ہے، شکر کے

قابل ہے[۱۹] ہر ایک کے لیئے خواہ یہ ہوں یا وہ (یعنی دنیا کے طلب گار ہوں یا آخرت کے) ہم (فرمایا) جو دنیا مانگتا ہے) ہم تیرے ربّ کی عطا سے اُس کی بھی مدد کرتے ہیں (اور جو آخرت مانگتا ہے ہم اُس کی بھی مدد کرتے ہیں) تمھارے ربّ کی عطا کو گھیرا نہیں جا سکتا (وہ عطائے غیر محذوذ ہے)(یعنی منقطع نہ ہو گی) عطاءِ محظور ہے (یعنی کسی پر بندش نہیں ہے)

اور کائنات کا خلق کرنے والا سورہ طٰہٰ[۲۰] میں ارشاد فرماتا ہے:

" رَبُّنَا الَّذِىٓ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ "

(سورۃ طٰہٰ[۲۰] آیت ۵۰)

" ہمارا ربّ وہ ہے جس نے ہر شے کو حیات عطا کی ہے پھر ہدایت کی ہے "

اُس کا سب سے بڑا عطیہ حیات ہے، پھر حیات کے مدارج ہیں کہ ہر منزلِ حیات پر تربیت کرے، یہ بھی عطا ہے اور پھر طبقات کی تربیت کرے، یہ بھی عطا ہے۔ انسانیت کی منزل پر آکر موالیدِ ثلاثہ کے حدِّ آخر پر جب انسان کو کھڑا کرے تو یہ بھی عطا ہے۔ اُس کو عقل کی دولت سے سرفراز کرے اور عقل کی دولت عطا کرکے اُسے تسلیم کی دولت یعنی اسلام عطا کرے اسلام لانے والے کو ایمان کی دولت عطا کرے، اُسے مومن بنائے، مومن کو عطیۂ تقویٰ دیکر متّقی بنائے اور تقویٰ رکھنے والے کو عطیۂ ولایت سے سرفراز فرماتے، اُسے ولی بنائے، ولایت کا عطیہ عطا کرکے، نبوّت کی منزل دے، نبوّت کی منزل پر رسالت کا عطیہ دیکر رسول بنائے اور جب رسولوں میں ممتاز کرے تو اوّلین و آخرین میں ایک کو چن لے اور اپنے لیے پسند کرے اور اُس کو اپنے مقام محبّت پر فائز کرکے خاتمۂ تکوین بنائے، اُس کو

مقصدِ لولاک بنائے، اُس کو حقیقتِ کُن فکان بنا کر ـــــــ "کوثر عطا کرے" ـــــ !!

سارے علمائے اسلام اور مفسّرین نے لکھا ہے کہ "کوثر" خیرِ کثیر ہے۔ "کوثر" خیرِ دنیا بھی ہے اور خیرِ آخرت بھی ہے۔ "کوثر" خیر ہی خیر ہے۔ ہم نے تجھ کو "کوثر" دیا، یعنی خیرِ کثیر دیا ہے۔ تیرے لیے خیر ہی خیر ہے۔ ہم نے تجھ کو کوثر دیا۔ اللہ اکبر۔ سُلیمان سے گفتگو تھی، ارشاد فرمایا:۔۔۔۔۔

" هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ " (سورۂ ۳۸ ص آیت ۳۹)

(سُلیمان)! ہم نے یہ (ملک) دیا ہے یہ ہماری عطا ہے۔ اپنے پاس رکھو یا (یہ سب کا سب) تقسیم کر دو۔ (ہم تم سے) حساب نہیں لیں گے۔"

اور جب مقامِ خاتم کی گفتگو آئی تو ارشاد ہوا:۔۔۔۔۔

" وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ○ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ○ " (سورۂ ۹۳ ضحیٰ آیت ۴-۵)

" اور تیرے لیے آخرت، دنیا سے کہیں زیادہ بہتر ہے اور عنقریب تیرا رب تجھ کو اتنا عطا کرے گا (اتنا عطا کرے گا) کہ تو راضی ہو جائے۔"

یہاں عطائے ربّ کا یہ حال ہے۔ عطا کرنے والا ظرف کو دیکھ کر عطا کرتا ہے، اُس کی صلاحیت کو دیکھ کر عطا کرتا ہے۔ استعداد کو دیکھ کر عطا فرماتا ہے۔ کوثر دیا ہے تو اُس کو دیا ہو گا جس میں کوثر (لینے) کی صلاحیت ہو گی، اُس میں کوثر کی استعداد بھی ہو گی، یہ خیرِ کثیر اُس کو دیا ہے۔ پھر

خیرِ کثیر کا لازمی نتیجہ ــــــ حبیبؐ ــــــ "سجدہ اور قربانی" ــــــ

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ــــــ پس نماز پڑھو (سجدہ کرو) اور قربانی دو ــــــ

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ــــــ بیشک تیرا دشمن ہی ہے جو ابتر ہے۔ دنیا تجھے کہہ رہی ہے کہ یہ اولاد نہیں رکھتا۔ تیری اولاد زندہ نہیں رہتی، اس کے معنٰی یہ نہیں کہ تو ابتر ہے، نہیں اے حبیبؐ! تیرا دشمن ابتر ہے۔

دنیا گواہ ہے، تیری بیٹی کی نسل کو قیامت تک کے لیے باقی رکھوں گا تیرا دشمن ابتر ہے۔ اپنے رسولؐ کو اُس نے ایک بیٹی دی، دنیا کو حیرت تھی کہ زکریاؑ کو یحیٰیؑ عطا کرنے والا، ابراہیمؑ کو اسمٰعیلؑ جیسا بیٹا عطا کرنے والا، محمدؐ کو ایک بیٹی عطا کر رہا ہے، مگر کیا معلوم تھا کہ پردے میں اس نسل کو آگے بڑھانا تھا۔ تاکہ قیامت تک یہ نسل آگے بڑھتی جائے۔ اور حقیقت میں یہ کوثر بن جائے تاکہ اُس کوثر تک پہنچے جہاں محشر میں جام تقسیم ہوں گے۔

اب سورۂ کوثر سمجھ میں آیا، حبیبؐ! ہم نے تجھ کو کوثر عطا کیا۔ خیرِ کثیر دیا، خیرِ دنیا عطا کیا، خیرِ عقبٰی عطا کیا، کثرتِ اولاد عطا کی ہے اے حبیبؐ! اُس کا شکریہ یہ ہے کہ ــــــ "سجدہ اور قربانی" ــــــ تیرا دشمن ابتر ہے۔ اے حبیبؐ! تیری نسل میں جو آئے اُس کے لیے ڈر نہیں ہے۔ قیامت تک یہ نسل جائے گی۔ تیرے پیغام کی حفاظت تیری نسل قیامت تک کرے گی۔

واضح طور پر امام بخاری نے "صحیح بخاری" میں اور حاکم نیشاپوری نے "مستدرک" میں اس امر کو لکھا کہ "جب آیۂ درود آئی اور لوگوں نے پوچھا ہم آپؐ پر درود کیسے پڑھیں؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: تم یوں درود پڑھا کرو۔ "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا ......

صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۔ (صحیح بخاری ص ۸۹۲ ج ۲)

"اے اللہ! درود بھیج (رحمتیں نازل فرما) محمدؐ پر اور آلِ محمدؐ پر جس طرح تو نے رحمتیں نازل فرمائیں ابراہیمؑ پر بیشک تو قابلِ تعریف بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! برکتیں نازل فرما محمدؐ پر اور آلِ محمدؐ پر جس طرح تو نے برکتیں نازل فرمائیں ابراہیمؑ کی آل پر، بیشک تو حمید ہے مجید ہے۔"

آلِ ابراہیمؑ پر جب رحمتوں کو نازل کیا تو یہ آیت آئی۔۔۔۔

"اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ" (سورۂ ۳ آلِ عمران آیت ۳۳)

"بیشک اللہ نے مصطفیٰ (منتخب) کیا آدمؑ کو نوحؑ کو اور آلِ ابراہیمؑ کو اور آلِ عمران کو (تمام) عالمین پر۔"

آلِ محمدؐ پر اسی طرح سے درود واجب ہے جس طرح آلِ ابراہیمؑ پر لازم ہے جس طرح محمدؐ مصطفیٰ ہیں اُن کی اولاد بھی مصطفیٰ ہے۔ یہ مقامِ اصطفےٰ ہے۔ یہ اُس کے مصطفیٰ بندے ہیں۔ اِس میں غلو نہیں ہے۔ کائنات میں ہماری عطا زندگی کی جان، ہماری روح، ہماری حیات کا مبدأ، ماویٰ، ملجا، سب کچھ خاتم النبیینؐ ہیں، مگر جس ذریت میں اُن کے دین کو باقی رکھا، اُن کے ایمان کو باقی رکھا، اُن کے پیغام کو باقی رکھا، اُن کے لیے قرآن نے کہا۔۔۔۔۔

ہم نے یہ اہتمام کردیا ہے کہ ہم تیری ذرّیت کو تجھ سے ملحق کردیں گے۔۔۔۔

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ" (سورۂ ۵۲ طور آیت ۲۱)

" اور صاحبانِ ایمان کی اولاد نے ایمان میں اُن کی پیروی کی تو ہم ان کی اولادوں کو بھی اُن سے ملا دینگے ۔ (ان کے درجے تک پہنچا دیں گے) اور اُن کی کارگذاریوں میں سے کچھ بھی کم نہ کریں گے ۔"

آپ ہمیشہ اس پر ایمان رکھیں کہ سب کچھ تو ذاتِ خاتمؐ ہے مگر جب ذاتِ خاتمؐ مقامِ مِنّیت پر اپنے نواسے کو لیلے اور یہ ارشاد ہو " حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ " تو حسینؑ بھی کوثر بنے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں ، یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عطائے الٰہی کی منزل ہے ، کوثر مجھے بھی عطا ہے ، اب سجدہ کر کے قربانی دوں گا ۔ اب سجدہ کروں گا اور قربانی دوں گا ، یہ منزلِ حسینؑ ہے ، حسینؑ کے لیئے بھی کوثر ہے ۔ حسینؑ کے لیئے بھی سجدہ ہے ، حسینؑ کے لیئے بھی قربانی ہے ، حسینؑ کا دشمن ابتر ہے ، نسلِ حسینؑ چلے گی ، ایک ایک بچہ کربلا میں قتل کر دیا گیا ہے لیکن آدمِ آلِ محمدؐ امام زین العابدینؑ ہیں ۔ اِس لیئے حسینؑ ابنِ علیؑ نے یہ طے کر لیا کہ جب میرے نانا کو کوثر عطا ہوا ہے ، اور میرے نانا نے مجھے مِنّیت کی منزل پر فائز کیا ہے ۔ اور جب ہم آلِ ابراہیمؑ کی طرح اصطفیٰ کی منزل پر ہیں اور اُس کے مصطفیٰ بندے ہیں ، اور جب ہم یہ کہتے ہیں :

" سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی " (سورۂ نمل آیت ۵۹ ۲۷)

" سلام ہو اُس کے مصطفیٰ بندوں پر "

یہ سلام اُس شہید پر بھی جاتا ہے کہ جس شہید نے کربلا میں سورۂ کوثر کی تفسیر کردی ۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ہاں اب سجدہ اور قربانی ـــ! حسینؑ اب تیری ہی فکر چلے گی ، اب تیرا ہی تصوّر باقی رہے گا ۔ اب دل و دماغ پر تو ہی چھایا ہوا رہے گا ، اب نسلوں میں تیرا اثر و نفوذ رہے گا ، تیرے دشمن کا تصوّر بھی باقی نہیں رہے گا ۔ دشمن تیرا ابتر ہے ۔ تو کوثر ہے ۔

حسینؑ نے سجدہ کیا اور اس شان کا سجدہ، محرّم کی دسویں ۶۱ھ کا آغاز تھا کربلا کی جلتی ریتی پر سر کو جھکا کے سجدہ کیا، بیٹوں کی لاشیں اُٹھا کے سجدہ کیا، بھائی کو رو کر سجدہ کیا، اہلِ حرم کو اللہ کے حوالے کر کے سجدہ کیا، اور جب سجدے کی منزل پر آئے تو حسینؑ کے دل نے یہ طے کیا فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ یہاں جانور کی قربانی نہیں ہے، اپنے آپ کو قربان کیا راہِ مولا میں اور ایک مرتبہ تہِ تیغ آگئے۔

میر تقی میر کہتے ہیں:

زیرِ شمشیرِ ستم میر تڑپنا کیسا
سر بھی تسلیمِ محبت میں ہلایا نہ گیا

حسینؑ نے قربانی کی حقیقت کو سمجھایا، دنیا کو بتلایا، دیکھو کوثر ہم کو ملا یہ قربانی بھی خدا قبول کرے گا، اور خدا نے قربانی کو قبول کرلیا۔ اللہ! اُس گھر کا اب کیا حال ہوگا جس گھر کے وارث کی لاشیں تو میدان میں پڑی ہیں، یہاں خیمے جل رہے ہیں، یہاں بچے طمانچے کھا رہے ہیں، یہاں بیبیوں کے سر سے چادریں چھینی جارہی ہیں، یہاں رسولؐ کی بارگاہ لُٹ رہی ہے حسینؑ تمہاری قربانی قبول ہوگئی۔ فاطمہؑ کی جان! اِس سے بڑھ کے اور کیا قربانی کی منزل ہوسکتی ہے کہ تم نے بہتّر قربانیاں اللہ کی راہ میں دیدیں۔ مگر اللہ ـــ! قربانی کی بھی ایک حد ہوتی ہے، لُٹی ہوئی سید انیاں جلے ہوئے خیموں سے باہر آگئیں۔ فضّہؑ نے گھبرا کر کہا: بی بی! آپ نے کچھ سنا؟ شہزادی نے فرمایا: فضّہؑ کیا بات ہے؟ عرض کیا، شہزادی! بھائی کی لاش پر گھوڑے دوڑائے جائیں گے۔

ایک مرتبہ گھبرا کے مقتل کی جانب چلیں، جا کر یہ دیکھا کہ ایک ایک قبیلے

کا سردار آتا ہے اور ایک ایک شہید کی لاش کو ہٹا لیتا ہے، یہاں تک کہ حُرؑ کے قافلے والے آئے اور آکر حُرؑ کے لشکر نے کہا ـــــ عمرِ سعدؑ! ہمارے سردار نے تجھ سے بغاوت کی، لیکن وہ ہمارا سردار تھا، قوم عرب میں بڑی بے عزتی ہے کہ کسی کو قتل کرنے کے بعد اُس کی لاش پر گھوڑے دوڑائے جائیں۔ اگر ہمارے سردار کے ساتھ بے ادبی ہوگی تو ہم تلواریں کھینچ لیں گے۔ عمرِ سعدؑ نے کہا: اچھا جاؤ حُرؑ کا لاشہ لے جاؤ، حُرؑ کے لشکر والے تلواروں کے سائے میں حُرؑ کے لاشے کو لے کر یہ کہتے ہوئے چلے؛ جس کا وارث ہوتا ہے اُس کی لاش کو یوں لے کر چلتے ہیں۔

اب شہزادی زینبؑ کیا کریں ـــــ !؟ اب زینبؑ کس کو پکاریں ـــــ !؟ اب زینبؑ کس کو آواز دیں ـــــ !؟

ایک مرتبہ نجف کی طرف منھ کر کے کہا ـــــ آؤ بابا ـــــ " بیٹے کی لاش پائمال ہو رہی ہے، حسینؑ کی لاش پائمال ہو رہی ہے !!



"شہید علمائے حق"

شہیدِ اوّل علّامہ شیخ شمس الدینؒ
شہیدِ ثانی علّامہ شیخ زین الدینؒ
شہیدِ ثالث قاضی نور اللہ شوستریؒ
شہیدِ رابع علّامہ مرزا محمد کامل دھلویؒ
شہیدِ خامس آیت اللہ باقر الصّدرؒ

کے

مکمل حالاتِ زندگی اور علمی خدمات کے موضوع پر
پہلی جامع کتاب

تالیف

علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی

ناشر

مرکزِ علومِ اسلامیہ کراچی

فون نمبر :- ۸۱۱۲۸۶۸

زیرِ طبع

"مجالسِ ترابی" جلد ششم

"ہدایتِ الٰہی" (دس مجلسیں)

"مجالسِ ترابی" جلد ہفتم

"دینِ مرتضیٰ" (دس مجلسیں)

"مجالسِ ترابی" جلد ہشتم

"اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ" (دس مجلسیں)

"مجالسِ ترابی" جلد نہم

"دعا اور اتمامِ نعمت" (دس مجلسیں)

"مجالسِ ترابی" جلد دہم

"اسلام میں حدیث کا اثر و رسوخ" (دس مجلسیں)

مرکزِ علومِ اسلامیہ

فلیٹ نمبر ۴ - آئی - نعمان ٹیرس فیز - ۳

یونیورسٹی روڈ - گلشن اقبال بلاک گیارہ کراچی

فون :- ۸۱۱۲۸۶۸ ــ ۸۱۱۰۶۴۵
